فروری ۲۰۰۲ء

ماہنامہ

# میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

# قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

# نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے **3** منفرد

## خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

### 1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

### 2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

### 3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

**ناظم شعبہ خط و کتابت کورس**

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی


جلد : ۵۱

شمارہ : ۲

ذوالقعدہ-ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

فروری ۲۰۰۲ء

فی شمارہ -/۱۲


ماہنامہ

# میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد


ادارہ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر


## سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک 125 روپے

☆ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 800 روپے

☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ


مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 03-02-5869501

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org



پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات


✿ **عرض احوال** ــــــــــــــــــ ۳
حافظ عاکف سعید

✿ **پریس ریلیز** ــــــــــــــــــ ۶
صدر مشرف کے ''تاریخی'' خطاب پر امیر تنظیم کا تبصرہ

✿ **تذکرہ و تبصرہ** ــــــــــــــــــ ۷
بیسویں صدی کی احیائی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب
ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **نقطہ نظر** ــــــــــــــــــ ۳۳
سانحۂ افغانستان کے اصل محرکات — عابد اللہ جان

✿ **تہذیبوں کی جنگ** (۲) ــــــــــــــــــ ۴۳
فیصلہ کن مرحلے میں — مولانا غلام اللہ خان حقانی

✿ **منہاج المسلم** (۲۰) ــــــــــــــــــ ۵۱
رسول اللہ ﷺ کا ادب — علامہ ابوبکر الجزائری

✿ **اسلامی معاشرت** ــــــــــــــــــ ۵۷
حقوقِ اولاد — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

✿ **اسوہ حسنہ** ــــــــــــــــــ ۶۷
حضور اکرم ﷺ کا تبسم — محمد آصف احسان عبد الباقی

✿ **تازہ بتازہ قلبی واردات** ــــــــــــــــــ ۷۱
نعیم اختر عدنان

✿ **تحقیق و مطالعہ** ــــــــــــــــــ ۷۵
بائبل کی ایک پیشین گوئی کا مطالعہ — محمد اسلم رانا

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

## عرض احوال

# ''بے بسی'' اور ''بے حسی'' کی انتہا

وطن عزیز پاکستان جو ۵۵ برس قبل اسلام کے نام پر منصۂ شہود پر آیا تھا' آج لادینیت کی ایک ایسی اندھی شاہراہ پر گامزن ہے جو اسے تیزی کے ساتھ اسلام سے دور لے جا رہی ہے اور جس کا انجام اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ پاکستان جسے کبھی اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا تھا' بہت جلد نیو ورلڈ آرڈر کے شیطانی نظام کا محض ایک کل پرزہ بن کر رہ جائے گا —— سوائے اس کے کہ اللہ کی کوئی خصوصی رحمت اور معجزانہ نصرت اسلامیانِ پاکستان کے شامل حال ہو جائے' جس کا بظاہر دور دور امکان نظر نہیں آتا —— فیا اسفاو یا حسرتا!!

ہم جو امریکہ کی عنایات و نوازشات کے بوجھ تلے دبی ہوئی ایک مجبور و مقہور قوم کے افراد ہیں' آج قومی سطح پر اس کے چشم و ابرو کے ایک اشارے پر اپنے ماضی سے قطع تعلق اور اسلام سے مستعفی ہونے کے لئے تیار بیٹھے ہیں —— ہمارے اعمال کی شامت پرویز مشرف نامی ایک شخص کی صورت میں ہمارے سروں پر مسلط ہے جو امریکی وائسرائے کے طور پر اپنا رول بڑی عمدگی کے ساتھ ادا کر رہا ہے ''ہائے کن ہاتھوں میں تقدیر حنا ٹھہری ہے!'' اور امریکہ بہادر جو آج ایک بدمست ہاتھی کی طرح اپنی راہ کی ہر رکاوٹ کو کچلنے اور تمام اخلاقی و آفاقی اصولوں کی دھجیاں بکھیرنے پر تلا ہوا ہے' خود صیہونیوں کی انگلیوں پر ناچنے پر مجبور ہے —— جی ہاں' وہی صیہونی جو آج روئے ارضی پر شیطان کی سب سے بڑی ایجنٹ قوت ہے کہ جس کی شاطرانہ چالیں خود شیطان کو بھی مات دے گئی ہیں۔

ملک و ملت کا درد رکھنے والے حیران و پریشان ہیں کہ گزشتہ ۵۵ سالوں کے دوران ملک خداداد پاکستان میں اسلامی قوتیں کبھی اتنی کمزور' لاچار اور بے بس نہ تھیں جتنی آج ہیں۔ پوری قوم اس وقت گن پوائنٹ پر ہے' ایک جانب بھارت کا جنگی جنون ایک ننگی تلوار کی مانند سروں پر مسلط ہے تو دوسری طرف ہماری اپنی سرزمین پر اور سمندری حدود میں امریکی افواج کا راج ہے۔ دینی و مذہبی طبقات اپنی نگاہوں کے سامنے سیکولرازم کا ننگا ناچ دیکھ رہے ہیں اور اسلام کے نام پر بننے والے ملک سے اسلام کی بے دخلی کا بچشم سر مشاہدہ کر رہے ہیں لیکن

ٹک ٹک دیدم' دم نہ کشیدم! ؎

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تیری محفل' کبھی ایسی تو نہ تھی!

دینی طبقات کی نیم دلانہ کوششوں کے نتیجے میں گزشتہ ۵۵ سالوں کے دوران آئینی و دستوری سطح پر نظام اسلامی کے حوالے سے جو کچھ بری بھلی پیش رفت ہوئی تھی' اس پر تیشہ چلانے کی تیاری مکمل کی جا چکی ہے! ---- حمیت وغیرت دینی کا دیوالہ نکل چکا ہے۔ دینی اقدار اور شعائر اسلامی کی دھجیاں بکھیرنے والوں کو کھلی چھوٹ حاصل ہے جبکہ دینی غیرت کا سبق دینے اور قرآن کے انقلاب آفریں پیغام کا نغمہ سنانے والوں کے لئے قانون زباں بندی ہے یا پھر زنداں کی دیواریں! ---- کہ سنگ وخشت مقید ہیں اور سگ آزاد!

یوں محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کے لئے اللہ کی مشیت میں طے شدہ مہلت اب ختم ہوا چاہتی ہے ---- یہ پاک سرزمین جو کبھی عالمی ملت اسلامیہ کی آنکھوں کی تارا اور امیدوں کا مرکز تھی' قانونِ الٰہی کی زد میں آ کر' خاکم بدہن' عذاب کے کسی شدید کوڑے کی مستحق قرار دی جا چکی ہے!! ---- حالات کے تیور تو اسی انجام کی خبر دے رہے ہیں' تاہم اللہ کی مشیت میں ابھی ہمارے لئے اگر کچھ مزید مہلت ہے تو اس کے لئے دعا کی جا سکتی ہے۔ ؎

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے ---- پھر یہ سب کیا ہے؟ یہ ہمارے اپنے جرائم اور بداعمالیوں کی سزا ہے جس سے آج ہم دوچار ہیں ---- یہ کسی ایک فرد یا ایک طبقے کا جرم نہیں ہے۔ اس میں ملکی قیادت سے لے کر عوام الناس تک درجہ بدرجہ تمام طبقات شریک ہیں' سوائے ان معدودے چند لوگوں کے جو اپنی دینی وملی ذمہ داریوں کو سنجیدگی سے ادا کرتے رہے' جنہوں نے قیام پاکستان کے اصل مقصد یعنی ''قیام ریاستِ اسلامی'' کی جدوجہد کو اپنے گروہی اور مسلکی تعصّبات سے بالاتر رکھا اور قوم کو جگانے اور قوم یونس کی طرح اجتماعی توبہ کرنے کی ضرورت کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کا عذر شاید بارگاہ الٰہی میں مقبول ٹھہرے' بقیہ پوری قوم مجرم ہے ---- کیا مقتدر طبقات سے لے کر عوام الناس تک پوری قوم دنیا پرستی' مادہ پرستی اور ہوس پرستی کا شکار نہیں ہے؟ امامانِ سیاست ہوں یا امامانِ مذہب' کیا یہ سب حبِ جاہ' حبِ مال کے مرض میں مبتلا اور ذاتی وگروہی مفادات کی بیڑیوں مین مقید نہیں ہیں؟ الا ماشاء اللہ ---- کیا حکمران طبقات کے بعد سب سے بڑا جرم ہماری اس دینی ومذہبی قیادت کا نہیں ہے کہ:

i) جس کی اکثریت نے ہوس پرستی کو اپنا شعار بنائے رکھا اور اسلام کے نام پر مسلک پرستی اور فرقہ واریت کو فروغ دے کر عوام الناس کو دین کی اصل تعلیمات سے نہ صرف دور رکھا بلکہ دین سے بدظن بھی کیا۔

ii) وہ مذہبی قیادت جس کی غالب اکثریت نے اسلام کو دین کی بجائے محض مذہب کے طور پر پیش کیا اور اسلام کو محض مسجد و خانقاہ کا دین بنا کر ابلیس کے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے قوم کو جگانے کی بجائے لوریاں دے کر سلانے کی خدمت سرانجام دیتے رہے کہ ۔

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

iii) دینی قیادت کا وہ مختصر گروہ جس نے اسلام کو فی الواقع ''دین'' سمجھ کر اسے بطور نظام زندگی قائم و غالب کرنے کو اپنا مقصد زندگی بنایا' بدقسمتی سے اس کی عظیم اکثریت بھی ذاتی انا اور جماعتی مفادات کے گرداب سے نہ نکل سکی اور انہوں نے نفاذ شریعت کے لئے متحدہ جدوجہد کی بجائے ہمیشہ بحالی جمہوریت کے لئے متحد ہونے کو اپنا شعار بنائے رکھا۔

iv) اور وہ مذہبی و دینی قیادت جس ایک ''باشعور اور دانش مند'' طبقہ وہ بھی ہے کہ جس کا علمی گھمنڈ اور عقلیت پرستی ہی اس کے لئے پاؤں کی بیڑی بن گئے اور یہ جاننے کے باوجود بھی کہ اسلام محض مذہب نہیں' دین ہے جو پورے نظام زندگی کا احاطہ کرتا ہے' اس طبقے کی عقل گزیدگی کا یہ مظہر سامنے آیا کہ اس کی علمی و عقلی صلاحیتوں کا تمام تر مصرف یہ قرار پایا کہ وہ اسلام کو پھر سے مذہب بنا کر اسے سیکولرازم کے ساتھ ہم آہنگ کرنے پر کمربستہ ہو جائے۔

اور عوام الناس کا حال اگر پوچھئے تو یہ ایک بات ہی ان کی بے حسی' حمیت و غیرتِ دینی سے محرومی اور ملکی و ملی معاملات سے بےتعلقی کا کافی ثبوت فراہم کرتی ہے کہ ملک و ملت کو درپیش موجودہ سنگین ترین حالات میں بھی ان کی تمام تر توجہ حکومت کی جانب سے بہلاوے کے لئے دیئے گئے کھلونوں یعنی جشن بہاراں اور بسنت منانے کی طرف مرکوز ہے۔ اور بعض لوگوں کو اگر تشویش میں مبتلا بھی دیکھا گیا تو بس اسی قدر کہ بھارت نے اگر جنگ کرنے میں عجلت سے کام لیا تو کہیں ہماری بسنت اس جنگی جنون کی نذر نہ ہو جائے۔ **انا للّٰہ وانّا الیہ راجعون** ہمارے قومی جرائم کی سزا شاید اب ہم پر مسلط ہو چکی ہے۔ **اعاذنا اللّٰہ من ذلک**

**پریس ریلیز**

# صدر مشرف کے ''تاریخی'' خطاب پر امیر تنظیم کا تبصرہ

امیر تنظیم اسلامی نے صدر پرویز مشرف کے ۱۲ جنوری کے قوم سے خطاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ صدر پاکستان خواہ کچھ بھی کہیں' ان کی حالیہ تقریر اور اس میں کئے گئے اہم فیصلے بھارت کے غیر معمولی فوجی دباؤ ہی کا نتیجہ تھے۔ کل تک کشمیر میں جاری جدوجہد آزادی کو پوری جرأت کے ساتھ جہادِ حریت قرار دینے والے صدر مشرف آج اس جہادِ حریت سے ذلت آمیز پسپائی کے فیصلے کو بھارتی دباؤ کا نتیجہ قرار دینے کی بجائے اپنی کس پالیسی کا تسلسل قرار دیں گے؟ ــــ اگر ہم نے ملک میں اسلام نافذ کیا ہوتا تو ہم اللہ کی مدد کے سہارے پر کشمیر کے لئے بھارت سے پنجہ آزمائی کر سکتے تھے لیکن بحالاتِ موجودہ قوت کے ذریعے کشمیر کے حصول کا خیال احمقانہ تھا' یہی وجہ ہے کہ حکومت کو اپنے سابقہ موقف سے پسپا ہونا اور کشمیر پالیسی پر سجدہ سہو کرنا پڑا ہے۔

سپاہ صحابہ اور تحریک جعفریہ پر پابندی سے فرقہ واریت کو ختم نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لئے فرقہ وارانہ منافرت کے اصل اسباب کو ختم کرنا ضروری ہے۔ فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے مناسب قانون سازی ضروری ہے۔ صحابہ کرامؓ' ازواج مطہرات اور اہل بیت سب ہمارے نزدیک محترم ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی سب وشتم کرنے والے شخص کے لئے ۱۴ سال قید بامشقت کا قانون بنانے' کسی مسلمان کو کافر کہنے پر سخت سزا کے نفاذ اور مذہبی جلوسوں پر پابندی سے ہی اس لعنت کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک مساجد اور مدارس کی رجسٹریشن کا تعلق ہے' اس امر میں فی نفسہ کوئی خرابی نہیں۔ البتہ ان اداروں کو سیاست سے پاک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ملکی سطح پر دین و سیاست کو ایک کر دیا جائے اور اگر آئین میں ترامیم کے ذریعے قرآن وسنت کو ملک کا سپریم لاء قرار دے دیا جائے تو مساجد و مدارس میں سیاسی مسائل زیر بحث لانے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ مدارس کے نصاب تعلیم میں سائنس اور ریاضیات جیسے مضامین کی تعلیم خوش آئند ہے مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں سعودی عرب کی طرح یکساں نظامِ تعلیم رائج کیا جائے اور ہائی سکول تک دینی و دنیاوی تعلیم کو یکجا کر کے مدرسہ اور کالج کی تفریق کو ختم کر دیا جائے۔

امیر تنظیم نے خبردار کیا کہ اگر موجودہ حکومت ان اصلاحات کی آڑ میں ملک کو سیکولرازم کی طرف لے جانے کا ارادہ رکھتی ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ سیکولرازم پاکستان کے حق میں زہر قاتل ہے' اس لئے کہ یہاں کے عوام کے اتحاد کے لئے ترک نیشنلزم یا عرب نیشنلزم قسم کا نسلی یا لسانی جذبہ محرکہ موجود نہیں بلکہ پاکستان کے استحکام کا ذریعہ صرف اور صرف وہی اسلامی جذبہ ہے جس نے اسے جنم دیا تھا۔ لہٰذا اس سے اگر روگردانی کی گئی تو پاکستان کے قیام کا جواز باقی نہیں رہے گا' پھر یہ ملک کسی بڑی طاقت کا طفیلی یا زیردست ہو کر ہی زندہ رہ سکے گا۔

# بیسویں صدی عیسوی کی احیائی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کا ۱۱ر جنوری ۲۰۰۲ء کا خطابِ جمعہ

خطبہ مسنونہ، سورۂ آل عمران کی آیات ۱۶۵ تا ۱۶۷ اور آیات ۱۷۲ تا ۱۷۴ کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد:

میں نے آج سے ۲۸ سال قبل ۱۹۷۴ء کے رمضان المبارک کے دوران مسجد خضراء سمن آباد میں بحالت اعتکاف ایک تحریر لکھی تھی جو پہلے ''مسلمانوں کا ماضی، حال اور مستقبل'' کے عنوان سے شائع ہوتی رہی اور اب سلسلۂ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر ۲ کے تحت ''تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر'' کے عنوان سے شائع ہوتی ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی ''Rise and Decline of the Muslim Ummah'' کے نام سے شائع ہوتا رہا ہے۔

## اُمت مسلمہ کے عروج وزوال کے دو دَور

متذکرہ بالا تحریر میں مَیں نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ اُمت مسلمہ اپنی چودہ سو سالہ تاریخ کے دوران دو مرتبہ عروج سے سرفراز ہوئی ہے اور دو ہی مرتبہ زوال سے دوچار ہوئی ہے۔ ہمارا پہلا عروج عربوں کے زیر قیادت تھا۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ خود عرب تھے اور آپؐ کے مخاطب اوّل اُمّیین یعنی عرب ہی تھے۔ لٰہذا اُمت مسلمہ کے نیوکلیس کی حیثیت عربوں ہی کو حاصل تھی۔ دورِ نبویؐ کے بعد ان ہی عربوں کے زیر

قیادت خلافت راشدہ کا نظام قائم ہوا اور اصحابِ ثلاثہ کے عہد خلافت کے دوران ''اُمّیین'' ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر ایک سیلاب کے مانند جزیرہ نمائے عرب سے نکلے اور انہوں نے ایک ربع صدی سے بھی کم میں ایران و عراق' شام و فلسطین اور مصر کے علاوہ شمالی افریقہ کے بڑے رقبے پر اسلام کا پرچم لہرادیا۔ پھر خلافت بنواُمیہ کے دوران ایک طرف مشرق میں ترکستان' افغانستان اور سندھ تک اور دوسری طرف مغرب میں پورے شمالی افریقہ کے علاوہ سپین سمیت مغربی یورپ کا وسیع علاقہ ''اُمّیین'' کے زیر نگیں آ گیا اور عالمِ اسلام کی سرحدیں تین برّ اعظموں تک وسیع ہوگئیں۔ پھر خلافت بنوعباس کے دوران ہارون الرشید اور مامون الرشید کا دَور عربوں کے عروج کا کلائمکس ہے۔ اس وقت پورے کرۂ ارضی پر عربوں کی سلطنت کے علاوہ کوئی دوسری سلطنت موجود نہ تھی' بلکہ نہ صرف یہ وسعت کے اعتبار سے عظیم ترین سلطنت تھی بلکہ اس میں علم' حکمت' سائنس اور فلسفہ غرضیکہ ہر طرح کی روشنی موجود تھی اور مسلمان حقیقتاً عالمِ انسانیت کی امامت کے منصب پر فائز تھے' جبکہ اُس وقت یورپ خود اُن کے بقول ''Dark Ages'' میں تھا۔ اس زمانے میں سائنس اور فلسفے کی تعلیم یورپ میں ممنوع تھی۔ پوپ کا مذہبی تسلط اس درجے قائم تھا کہ جس کسی کے گھر سے سائنس یا فلسفہ کی کوئی کتاب برآمد ہوجاتی اسے زندہ جلادیا جاتا تھا۔

چار صدیوں کے عروج کے بعد دورِ بنوعباس ہی میں مسلمانوں کا زوال شروع ہوا۔ ''ہر کمالے را زوالے'' قانونِ فطرت بھی ہے۔ جیسے ہر انسان پر جوانی کے بعد بڑھاپا آتا ہے اسی طرح قوموں پر بھی بڑھاپا آتا ہے۔ سپنگلر کا فلسفہ تاریخ یہی ہے کہ قومیں اور تہذیبیں بھی انسانوں کی مانند بچپن' جوانی اور بڑھاپے کی منازل طے کرتی ہیں۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی اسلامی تہذیب پر یا اسلام کی علمبردار کسی قوم پر اگر زوال آتا ہے تو اس کی وجہ اس کی اسلام سے دُوری ہی ہوتی ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ))

''اللہ تعالیٰ اسی قرآن کی وجہ سے کچھ قوموں کو بامِ عروج تک پہنچائے گا اور اسی (کتاب کو پیٹھ دکھانے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو قعرِ مذلت میں گرا دے گا''۔

چنانچہ کتابِ الٰہی سے روگردانی کے سبب عرب ذلیل و رسوا ہوئے۔ پہلے صلیبیوں نے آ کر اِن کی وہ درگت بنائی کہ خدا کی پناہ۔ انہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا اور عربوں سے بیت المقدس چھین لیا' جس پر ۸۸ برس تک صلیبیوں کا قبضہ رہا۔ عربوں کے اندر اخلاقی زوال' دنیا پرستی اور نفس پرستی کی وجہ سے قوتِ مقاومت باقی نہیں رہی تھی اور وہ بیت المقدس واپس نہیں لے سکتے تھے۔ چنانچہ اسے عیسائیوں کے قبضے سے واپس لینے والا کرد خون صلاح الدین ایوبی تھا۔

اس کے بعد تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ انتہائی اندوہناک ہے۔ تاتاریوں کے حملوں میں (محاورتاً نہیں واقعتاً) کروڑوں مسلمان قتل ہوئے۔ خوارزم شاہ کی عظیم مملکتِ خراسان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی' افغانستان اور ایران تہس نہس ہو گئے اور عراق کا بیشتر حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔ ذلت و رسوائی اس حد تک پہنچی کہ ۱۲۵۸ء میں بنو عباس کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو تاتاریوں نے قصر خلافت سے گھسیٹ کر باہر نکالا' ایک جانور کی کھال میں لپیٹ کر سڑک پر ڈال دیا اور اوپر سے گھوڑے دوڑا دیئے۔ اس پر ہمارے اُس وقت کے قومی شاعر' جنہیں مسلمانوں کا پہلا قومی شاعر کہا جا سکتا ہے' شیخ سعدی نے کہا تھا ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المؤمنیں!

بہرحال عربوں کے عروج و زوال پر مشتمل یہ مسلمانوں کا پہلا دَور تھا۔

مسلمانوں کا دوسرا عروج معجزانہ طور پر شروع ہوا کہ وہی تاتاری جنہوں نے کروڑوں مسلمانوں کو قتل کیا تھا' حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے!

ازبکستان، تاجکستان، قازقستان اور چینی ترکستان میں جتنے قبائل آباد ہیں سب تاتاری النسل ہیں۔ ان کو مختلف نام دیئے جاتے ہیں، ترک اور مغل بھی کہا جاتا ہے، لیکن ان کی نسل ایک ہی ہے۔

تاتاریوں کے قبولِ اسلام کے بعد اسلام کو اُن ہی کے ذریعے عروج حاصل ہوا اور ہندوستان میں ترکانِ تیموری، ایران میں ترکانِ صفوی اور مشرقِ وسطیٰ میں ترکانِ سلجوقی نے سلطنتیں قائم کیں۔ عظیم سلطنت عثمانیہ کی بنیاد ایک تاتاری سردار عثمان خان نے رکھی تھی جس نے اوّلاً ایشیائے کوچک میں ایک چھوٹی سی حکومت قائم کی تھی، پھر اس نے فتوحات کرتے کرتے اسے وسعت دی اور بالآخر ترکانِ عثمانی کے ہاتھوں عظیم سلطنت عثمانیہ قائم ہوئی۔ پھر چار سو سال تک خلافت ترکوں کے پاس رہی۔ یہ مسلمانوں کے عروج کا دوسرا دَور تھا۔ لیکن جب خلفاء بنوعباس کی طرح ترک حکمران بھی عیاشیوں میں مبتلا ہو گئے، عظیم الشان محلاّت تعمیر ہونے لگے اور جو کچھ محلاّت میں ہوتا ہے وہی کچھ یہاں ہونے لگا، کوہ قاف کا سارا حسن سمٹ کر حرم شاہی کی زینت بننے لگا، ناؤ نوش اور رقص وسرود کی محفلیں برپا ہونے لگیں تو پھر یہ عظیم سلطنت بھی زوال سے دوچار ہوگئی۔ مسلمانوں پر زوال کا یہ دوسرا دَور یورپی استعمار کے ذریعے آیا۔ سب سے پہلے ۱۴۹۲ء میں غرناطہ کا سقوط ہوا اور ہسپانیہ سے مسلمانوں کا صفایا کر دیا گیا۔ اور پھر جو نوآبادیاتی نظام کا سیلاب آیا تو دیکھتے ہی دیکھتے انڈونیشیا، ملائشیا سب ختم ہو گئے اور عالمِ اسلام پر برطانوی اور فرانسیسی قابض ہو گئے۔ ہندوستان پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور پچھلی صدی کے آغاز میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد عالم اسلام کا نقشہ یکسر تبدیل ہو گیا۔

بیسویں صدی عیسوی اس اعتبار سے بہت عجیب ہے کہ اس صدی کے رُبع اوّل میں تین براعظموں (شمالی افریقہ، مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ) پر پھیلی ہوئی مسلمانوں کی عظیم سلطنت عثمانیہ دنیا کے نقشے سے غائب ہو گئی اور صرف ایک چھوٹا سا ملک ترکی باقی رہ گیا ـــــ اور اسی صدی کے آخری ربع میں عظیم سوویت یونین (U.S.S.R)

ختم ہو کر رہ گیا جس سے کبھی امریکہ لرزہ براندام رہتا تھا۔ اس لئے کہ اس نے دو اعتبارات سے وہ پیش رفت کر لی تھی کہ امریکہ کے پاس اس کا علاج تھا ہی نہیں۔ ایک طرف وہ خلاء کی تسخیر میں امریکہ سے بہت آگے نکل گیا تھا اور امریکہ کانپ رہا تھا کہ "Star War" کی صورت میں اگر روس نے خلاء سے حملہ کر دیا تو ہم کیا کریں گے! جبکہ اس کے پاس دوسرا ہتھیار کمیونزم کی صورت میں ایک نظریہ تھا جس میں دنیا کے غریبوں کے لئے کشش تھی اور اس کا بھی کوئی توڑ امریکہ کے پاس نہیں تھا۔ بہر حال جس طرح بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں عظیم سلطنت عثمانیہ دنیا کے نقشے سے غائب ہوئی اسی طرح اس کے آخر میں عظیم سوویت یونین بھی دنیا کے نقشے سے غائب ہو گئی۔ بہر حال سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ سے ہمارا دوسرا زوال اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

جس طرح ''ہر کمالے را زوالے'' قانون قدرت ہے اسی طرح یہ بھی قانون قدرت ہے کہ جزر کے بعد مدّ بھی آتا ہے۔ سمندر پیچھے ہٹتا ہے تو اس کیفیت کو جزر کہا جاتا ہے اور پھر جب آگے بڑھتا ہے تو اس کو مدّ کہا جاتا ہے۔ سمندر میں مدّ و جزر ایک قدرتی عمل ہے۔ لیکن بیسویں صدی کے ربع اوّل کے آخر میں عالمِ اسلام کا نقشہ اس قدر مایوس کن تھا کہ قومی شاعر الطاف حسین حالی نے اس صورت حال پر کلیجے کو چیر دینے والے یہ شعر کہے۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے!

گویا ہمارے لئے شاید قدرت کا قانون بدل گیا ہے کہ ہمارے نصیب میں اب زوال ہی زوال ہے، کہیں اب ترقی و عروج کی طرف پیش رفت کے آثار ہی نظر نہیں آ رہے۔ یہ اشعار دراصل ''مسدسِ حالی'' کا سرنامہ ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ میں جن کتابوں کا عمل دخل ہے ان میں مسدس حالی کو بھی نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس

کے آخر میں ''مناجات بحضور سرور کونینؐ '' کے عنوان سے یہ اشعار آتے ہیں: ؎

اے خاصہ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

## مسلمانوں کے تیسرے عروج کا پہلا مرحلہ

بہر حال قدرت کا قانون ہے کہ جیسے مدّ کے بعد جزر آتا ہے اسی طرح جزر کے بعد مدّ بھی آتا ہے۔ چنانچہ اُمت مسلمہ میں ایک بار پھر تیسرے عروج کی طرف پیش رفت کا آغاز ہوا۔ اس عروج کا سب سے پہلا مرحلہ آزادی کی تحریکیں تھیں جو یورپ کے نو آبادیاتی نظام کے خلاف چلیں اور ان کی حیثیت '' Third World Phenomenon '' کے ایک جزء کی تھی۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں برطانوی اور فرانسیسی استعمار سے دوسرے ملکوں نے بھی آزادی حاصل کی اور مسلمان ممالک بھی آزاد ہوئے۔ نو آبادیاتی دور میں یورپ کے لوگ امریکہ میں جا کر ایسے آباد ہوئے کہ وہاں کے اصل باشندوں (ریڈ انڈینز) کا وہاں وجود ہی نہیں رہا۔ ظاہر ہے کہ ہر عمل کا ایک ردّ عمل بھی ہوتا ہے' لہٰذا یورپی استعماری طاقتوں کے خلاف آزادی کی تحریکیں چلنا بھی فطرت کا تقاضا تھا۔ آزادی کی ان تحریکوں کے نتیجے میں کئی عیسائی ممالک نے بھی آزادی حاصل کی۔ اسلام شمالی افریقہ میں تو اچھی طرح سرایت کر گیا تھا اور وسطی افریقہ میں بھی اس کے اثرات کسی حد تک پہنچے تھے' لیکن جنوبی افریقہ اسلام کی روشنی سے محروم رہا' لہٰذا وہاں ایک خلا تھا جہاں عیسائیت کی تبلیغ بڑی تیزی کے ساتھ ہوئی اور لوگوں نے بڑی تیزی کے ساتھ عیسائیت قبول کی۔ عیسائی ہونے کے ناطے ان کا مذہب وہی تھا جو برطانویوں اور فرانسیسیوں یا دیگر یورپی اقوام کا تھا' لیکن آزادی اور غلامی کا معاملہ علیحدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ تمام محکوم افریقی' یورپی اور ایشیائی ممالک نے

آزادی کی جدوجہد کی اور ہوتے ہوتے سب آزاد ہو گئے۔ مسلمان ممالک میں بھی آزادی کی تحریکیں چلیں اور ایک ایک کر کے تمام مسلمان ممالک آزاد ہوتے چلے گئے۔ اوران میں بارش کے پہلے قطرے کی حیثیت غالباً پاکستان کو حاصل ہوئی۔ اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان قائم ہوا' اسی کے لگ بھگ انڈونیشیا اور پھر ملائشیا آزاد ہوا۔ پھر ایک ایک کر کے تمام عرب ممالک آزاد ہوتے چلے گئے۔ یہ اُمت مسلمہ کے تیسرے عروج کے آغاز کا پہلا مرحلہ تھا۔

## مسلم ممالک میں احیائی تحریکوں کا آغاز

یورپی استعمار سے آزادی کے بعد مسلمان ممالک میں یہ فکر عام ہوا کہ اب ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بننا چاہئے۔ جب ہم محکوم تھے' انگریز ہم پر حکمران تھا تو وہ جو قانون بناتا تھا ہم پر نافذ کر دیتا تھا اور ہم اسے ماننے پر مجبور تھے' لیکن اب ہم آزاد ہیں' ہمارا دین ایک مکمل نظامِ حیات بھی ہے' ہماری شریعت کا اپنا فوجداری قانون ہے' سول قانون ہے' قانونِ شہادت ہے' قانونِ وراثت ہے' نکاح اور طلاق کے معاملات پر مشتمل عائلی قوانین ہیں' غرضیکہ پوری زندگی کے لئے ایک نظام موجود ہے۔ مسلمانوں میں یہ جذبہ اور یہ اُمنگ پیدا ہوئی کہ اب جبکہ ہم آزاد ہو گئے ہیں تو ہمیں وہ نظامِ حیات قائم کرنا چاہئے۔ اس جذبے کو ابھارنے میں کچھ لوگوں نے اہم کردار ادا کیا۔ خاص طور پر علامہ اقبال کی شاعری نے اس ضمن میں بڑا کام کیا ؎

کتابِ ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا!

اقبال نے یہ امید افزا پیغام دیا کہ جب یہ اُمت دوبارہ جاگے گی تو اسے اپنا ماضی یاد آئے گا' اور اس کے حوالے سے اس کی کوشش ہو گی کہ وہ پھر دین کو قائم کرے۔ اسلام کو بحیثیت دین قائم کرنا میرے نزدیک ''احیاءِ اسلام'' یعنی اسلام کو از سرِ نو زندہ کرنا ہے' اس لئے کہ مسلمانوں کے دورِ غلامی میں اسلام نظامِ زندگی کی حیثیت سے باقی نہیں

رہا تھا' محض عقیدے اور نماز روزے کے طور پر اسلام زندہ تھا۔ ہم جمعہ اور عیدین پڑھتے رہے' حج ادا کرتے رہے' زکوٰۃ اور قربانی دیتے رہے۔ گویا مذہب کی حیثیت سے اسلام زندہ رہا لیکن پوری دنیا میں دین کی حیثیت سے اسلام کا نمونہ کہیں باقی نہ رہا کہ وہاں مساجد بھی آباد ہوں اور عدالتوں میں فیصلے بھی اسلامی قانون کے مطابق کئے جاتے ہوں۔ مسلمان اپنی انفرادی زندگی میں بھی اسلام پر عمل پیرا ہوں اور ان کا معاشرتی' سیاسی اور معاشی نظام بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو' ان کا معاشی نظام سود اور جوئے کی ہر شکل سے پاک ہو' اس میں ظلم واستحصال کی صورت باقی نہ رہے اور کسی کو کسی کا حق غصب کرنے کا اختیار نہ ہو۔ چنانچہ مسلم ممالک میں احیائی تحریکوں نے جنم لیا۔

تاریخی اعتبار سے اکثر و بیشتر احیائی تحریکیں ایک ہی وقت میں شروع ہوئیں' اس لئے کہ مسلم ممالک تقریباً ایک ہی وقت میں آزاد ہوئے اور آزادی کے وقت مسلمانوں کو ہوش آیا کہ ہمارا دین ایک مکمل نظام حیات ہے۔ چنانچہ عالمِ اسلام کے تمام ممالک میں احیائی تحریکیں چلیں۔ ان تحریکوں کا آغاز انڈونیشیا سے ہوا جہاں مسجومی پارٹی قائم ہوئی' ہندوستان میں مولانا مودودی مرحوم نے جماعت اسلامی قائم کی' ایران میں فدائین' ترکی میں سید نورسی کی تحریک اور مصر میں الاخوان المسلمون کی تحریک اٹھی جو بعد ازاں تمام عالمِ عرب کی جماعت بن گئی۔ اسی طرح لبنان میں عباد الرحمٰن کی تحریک برپا ہوئی۔ یہ تمام تحریکیں ایک ہی وقت میں ابھریں' ان سب کا طرزِ فکر' طرزِ عمل اور تصورِ دین ایک ہی تھا اور یہ لوگ قریباً ایک ہی طرح کے طریقہ کار پر عمل پیرا رہے۔ ان تحریکوں کو برسرِ پیکار آئے تقریباً پون صدی بیت چکی ہے۔ جماعت اسلامی کا باقاعدہ قیام اگرچہ ۱۹۴۵ء میں عمل میں آیا لیکن مولانا مودودی اس سے پہلے جو کام کر رہے تھے اس کو بھی اس میں شامل کیا جانا چاہئے۔ تاہم الاخوان کا معاملہ جماعت اسلامی سے مقدم ہے۔ یہ تحریک سید حسن البناء شہید نے شروع کی تھی۔

ان احیائی تحریکوں کی پون صدی کی مساعی کے باوجود افسوس کہ انہیں کسی بھی جگہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ یہ بات نہایت غور طلب ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا' جبکہ ان

لوگوں کی نیتیں بھی درست تھیں' مقاصد نیک تھے اور ان کے پیش نظر اسلام کی بازیافت تھی' یعنی اسلام کو ایک نظامِ حیات کی حیثیت سے قائم کرنا' تا کہ وہ ایک حقیقت بن کر نظر آئے اور دنیا کو دعوت دی جا سکے کہ آؤ دیکھو یہ ہے اسلام' یہ ہے اللہ کی ریاست' یہ ہے اسلامی حکومت و معیشت' یہ ہے اسلامی معاشرہ اور یہ ہے عدل وقسط پر مبنی نظام۔ لیکن اس مقصد میں ان تحریکوں کو کہیں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

## ایران اور افغانستان کا خصوصی معاملہ

ان احیائی تحریکوں کے علاوہ مسلمان ممالک میں کچھ ایسی تحریکیں بھی اٹھیں جنہیں پیرا موومنٹس کا نام دیا جا سکتا ہے۔ (جس طرح پیرا ملٹری کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔) ان مؤخر الذکر تحریکوں کو اسلام کے نام پر جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔ ایسا ایک معاملہ تو ایران میں ہوا جہاں پہلے ایک خالص سیاسی تحریک اٹھی جو دراصل اینٹی شاہ تحریک تھی کہ جس میں کمیونسٹ بھی شامل تھے' علماء بھی شامل تھے اور لبرل عناصر بھی شامل تھے (جس طرح ہمارے ہاں پی این اے نے اینٹی بھٹو تحریک چلائی تھی جس میں ہر نقطۂ نظر کے لوگ موجود تھے اور اسے بعد ازاں نظامِ مصطفیٰؐ تحریک کا نام دے دیا گیا تھا۔) ایران کی اس اینٹی شاہ تحریک کو اس کے کلائمکس پر آ کر علماء نے ہائی جیک کر لیا اور وہاں علماء کی ایک حکومت قائم ہو گئی۔ لیکن یہ معاملہ کسی احیائی تحریک یا فدائین کی مساعی کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ ایک سیاسی تحریک نے اچانک یہ شکل اختیار کر لی جس کے نتیجے میں وہاں پر ایک مذہبی حکومت قائم ہو گئی۔

دوسرا معاملہ افغانستان میں ہوا جہاں طالبان کی اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ (میں اسے آج بھی ڈنکے کی چوٹ اسلامی حکومت قرار دیتا ہوں۔) لیکن طالبان کی اسلامی حکومت بھی کسی احیائی تحریک کے نتیجے میں قائم نہیں ہوئی تھی' بلکہ ہوا یوں کہ افغانستان میں اچانک روسی فوجیں داخل ہو گئیں اور اس کے جواب میں پوری افغان قوم اٹھ کھڑی ہوئی' وہ غلام رہنا جانتی ہی نہیں۔ اس پر امریکہ نے مضبوط گھوڑا دیکھ کر داؤ

لگایا۔ چنانچہ اس نے افغانیوں کی بھرپور پشت پناہی کی' انہیں پیسے اور ہتھیار فراہم کئے' کیونکہ اسے اپنے اس دشمن کو جس سے وہ خائف تھا' ختم کرنے کا موقع مل گیا۔ امریکہ نے افغانستان میں جدید اسلحہ' یہاں تک کہ سٹنگر میزائل مہیا کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روسیوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا اور U.S.S.R تحلیل ہو گیا۔ لیکن چونکہ یہ ایک خالص اسلامی جہاد نہیں تھا جو ایک امیر کی رہنمائی میں ہوتا' بلکہ یہ مختلف گروپس تھے جو جہادِ حریت میں شریک تھے' لہٰذا روس کے جانے کے بعد وہ آپس میں لڑ پڑے اور خانہ جنگی ہو گئی۔ اس طرح یہ جہاد جسے ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا نام دیا جا رہا تھا ''فساد فی سبیل اللہ'' کی صورت اختیار کر گیا۔ ہر قبیلے کے سردار نے اپنے علاقے کے حکمران کی حیثیت اختیار کر لی اور پھاٹک لگا کر ہر آنے جانے والے سے ٹیکس وصول کرنے لگ گیا۔ عورتوں اور بچوں پر وحشیانہ مظالم کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر صاحب حیثیت نے بدمعاشی شروع کر دی۔ اس صورت حال میں ملا عمر کھڑے ہو گئے' لوگوں نے ان کا ساتھ دیا اور افغانستان پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی جھولی میں آ گرا۔ افغانستان کا صرف پانچ یا چھ فیصد حصہ شمالی اتحاد کے زیر تسلط رہ گیا تھا اور باقی پورے ملک پر طالبان کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ یہ بھی کسی احیائی تحریک یا انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں نہیں ہوا۔

وہ جو احیائی تحریکیں تھیں ان میں سے بعض اب بھی موجود ہیں لیکن اکثر و بیشتر ختم ہو چکی ہیں۔ بعض کا محض نام باقی رہ گیا ہے اور بعض کا نام و نشان تک مٹ گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ خاکسار تحریک کیسی زبردست تحریک تھی کہ اس کے چپ راست نے ایک دفعہ تو پورے ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ خاکی وردی میں ملبوس انتہائی منظم بیلچہ بردار خاکساروں کو دیکھ کر ہندو کانپ کر رہ گیا تھا کہ اب کیا ہو گا! چنانچہ اسی خاکسار تحریک کے ردّعمل میں آر ایس ایس قائم کی گئی۔ فدائین اور عباد الرحمٰن کا تو کہیں ذکر تک نہیں ملتا۔ مسجومی پارٹی شاید ابھی باقی ہے لیکن وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف دو تحریکیں باقی رہ گئی ہیں' ایک جماعت اسلامی کی تحریک اور دوسری الاخوان المسلمون کی تحریک۔ الاخوان آج بھی عالمِ عرب میں بیشتر ممالک کے اندر کسی نہ کسی صورت

میں موجود ہے' جبکہ جماعت اسلامی بھی پانچ چھ ملکوں مثلاً پاکستان' بھارت اور بنگلہ دیش وغیرہ میں کام کر رہی ہے۔ آزاد کشمیر اور بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھی جماعت اسلامی موجود ہے۔ امریکہ میں جماعت اسلامی کے ہم خیال لوگ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (ICNA) کے نام سے کام کر رہے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں (الاخوان اور جماعت اسلامی) میں ایک مشترک بات یہ ہے کہ یہ فقہی اختلافات اور عقائد کے کلامی اختلافات سے ماوراء ہیں۔ آپ حنفی ہیں' شافعی ہیں' مالکی ہیں یا سلفی ہیں' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ اقامت دین کی جدوجہد میں شریک ہو جائیں تو ان کے ساتھی ہیں۔ دوسری بات یہ یقین کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور یہ کہ اس کے غلبے کے لئے جدوجہد کرنا لازم ہے' ان تحریکوں کی جڑ بنیاد میں موجود ہے' لیکن تقریباً پون صدی گزرنے کے باوجود ان تحریکوں کو کہیں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

البتہ ایک اور تحریک جو بعض اعتبارات سے جماعت اسلامی اور الاخوان المسلمون کا اینٹی کلائمکس ہے' یعنی تبلیغی جماعت' وہ اپنی جگہ بہت کامیاب نظر آتی ہے۔ یہ جماعت دراصل اسلام کے صرف مذہبی تصور کی علمبردار ہے۔ یعنی اپنی عبادات میں' وضع قطع میں' شکل وصورت اور رہن سہن میں اسلامی رخ اختیار کرنا اور سنت نبویؐ کی پیروی کرنا۔ اس اعتبار سے یہ نہایت فعال تحریک ہے۔ لیکن اسلام کا یہ تصور کہ یہ ایک دین ہے' مکمل نظامِ حیات ہے' جسے غالب اور قائم کرنا مسلمانوں کا اہم دینی فریضہ ہے' ان کے ہاں سرے سے مفقود ہے۔ آج دنیا میں اسی تصورِ مذہب کا ڈنکا بج رہا ہے جو سیکولر فکر کے ساتھ ضم ہو چکا ہے۔ یہ لوگ بھی چونکہ اسلام بحیثیت نظامِ حیات کی بات ہی نہیں کرتے' کوئی سیاسی بات بھی نہیں کرتے لہٰذا ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پوری دنیا میں کہیں کوئی پابندی نہیں ہے' یہاں تک کہ اسرائیل میں بھی ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور وہاں مساجد میں شب جمعہ کے پروگرام اور گشت ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں ایمان کی گہرائی اور پختگی پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ اصل رازق اور پالنے والا اللہ ہے' محافظ اللہ ہے' لیکن اس یقین کا عملی اظہار صرف انفرادی زندگی میں ہوتا ہے' اجتماعی

نظام سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ جبکہ ایمان کی یہ محنت بھی non-intellectual ہے اور اس کے ساتھ فلسفیانہ dimension موجود نہیں ہے۔

جن دو ممالک ایران اور افغانستان میں انقلاب آیا اور انہیں اس ضمن میں کسی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ان دونوں ممالک میں علماء وقت نے قیادت سنبھال لی تھی۔ ایرانی علماء نے شاہِ ایران کے خلاف چلنے والی ایک سیاسی تحریک کو ہائی جیک کیا اور حکومت پر متمکن ہو گئے۔ افغانستان میں بھی طالبان کے نام سے علماء کی جماعت ابھر کر آئی جنہوں نے وہاں پر امن و امان قائم کیا اور وہاں ان کی حکومت بن گئی۔ علماء کی قیادت ہونے کے ناطے ایران اور افغانستان کی یہ دونوں حکومتیں فقہی تنگ نظری کا شکار رہیں۔ چنانچہ ایران فقہ جعفری اور شیعہ عقائد سے سرمو انحراف نہیں کر سکا اور طالبان کٹر حنفیت کے دائرے سے اپنا نقطۂ نظر وسیع نہیں کر سکے۔ البتہ اگر احیائی تحریکوں کے ذریعے سے کہیں اسلامی حکومت قائم ہوتی تو اس میں وسعت نظر بھی ہوتی اور دین کو ایک نظام کی حیثیت سے قائم کرنے کی بات ہوتی۔

## احیائی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب

اب میں اپنا تجزیہ پیش کر رہا ہوں کہ ان احیائی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں! ان کی ناکامی کے تین اسباب ہیں۔

### (۱) عجلت پسندی:

میرے نزدیک ان کی ناکامی کا اوّلین سبب عجلت پسندی ہے۔ یعنی ان تحریکوں نے پوری طرح فضا کو ہموار کیے بغیر قومی سیاست کے میدان میں دخل دے دیا اور یہ لوگ انتخابات کے میدان میں آ گئے۔ لہٰذا ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کے بجائے ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت بن کر رہ گئے۔ اگر ہم پاکستان کی سیاسی تاریخ کو سامنے رکھیں تو پاکستان میں مسلم لیگ کے کمزور پڑ جانے کے بعد ایک خلا پیدا ہو گیا تھا جس کا فائدہ جماعت اسلامی نے اٹھانا چاہا تھا' لیکن چونکہ دعوتِ دین کے

ذریعے سے ابھی تک میدان ہموار نہیں ہوا تھا لہٰذا جماعت اسلامی کو انتخابات میں کامیابی نہ مل سکی اور سیاسی اعتبار سے جاگیردارانہ نظام اور برادری پر مبنی نظام مسلط ہو گیا۔ الیکشن میں ووٹ برادری کی بنیاد پر ملے یا پھر جاگیردار کے انگوٹھے تلے ووٹ بینک تھا۔ لہٰذا دینی جماعتوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ بعض دینی جماعتیں اب بھی انتخابی سیاست کی اس دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں۔

جماعت اسلامی ہی کو لیجئے۔ یہ خاصی منظم جماعت ہے۔ اس کے ورکرز بہت فعال ہیں' دفاتر کا پورے ملک میں جال بچھا ہوا ہے' لیکن الیکشن کی سیاست میں اس نے نصف صدی ضائع کر دی اور اس کے ہاتھ پلے کچھ نہیں آیا۔ اس موضوع پر میں نے ایک مقالہ ''تحریک جماعت اسلامی' ایک تحقیقی مطالعہ'' چوبیس برس کی عمر میں جماعت اسلامی کی پالیسی سے اختلاف کی بنا پر لکھا تھا۔ اُس وقت میں جماعت اسلامی کا رکن تھا' منٹگمری (ساہیوال) کی جماعت کا امیر تھا' اور جماعت کے دستور پر نظر ثانی کے لئے قائم کی گئی دستور ساز اسمبلی کا رکن تھا۔ اپنے اس مقالے میں مَیں نے لکھا تھا کہ ہم غلط رخ پر آ گئے ہیں' ہم نے اپنی اصل اسلامی انقلابی حیثیت کو چھوڑ کر اسلام پسند قومی سیاسی جماعت کا روپ دھار لیا ہے' اس سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ ان احیائی تحریکوں میں جماعت اسلامی کی تحریک ایک عظیم تحریک تھی۔ الاخوان میں اگرچہ جوش و جذبہ جماعت اسلامی سے سوگنا زیادہ تھا لیکن فکر نہیں تھا' لٹریچر کوئی تھا ہی نہیں' جبکہ مولانا مودودی بہت بڑے مصنف تھے اور اس حیثیت سے دنیا میں آج بھی ان کا لوہا مانا جاتا ہے۔ جماعت اسلامی کا فکر مرتب اور منظم ہے۔ آج ۴۶ سال بعد بھی مجھے اپنی اس تحریر کے ایک ایک حرف پر اتنا ہی یقین ہے جتنا اُس وقت تھا جب میں نے یہ کتاب لکھی تھی۔ اب یا تو یہ کہہ لیجئے کہ میرا فکر اُس وقت پختہ ہو چکا تھا' یا یہ کہہ لیجئے کہ میرا فکر اس کے بعد متحجر (fossilized) ہو گیا ہے کہ میں جس جگہ اس وقت تھا اسی جگہ آج بھی قائم ہوں۔ جماعت اسلامی واقعتاً ایک بڑی عظیم تحریک تھی اور یہ ۹۰ فیصد طریق انبیاء پر تھی' لیکن پاکستان بننے کے بعد اس نے جو رخ بدلا ہے اس نے اس کی کیفیت اور ماہیت

ہی کو بدل دیا ہے۔ چنانچہ اب وہ ایک سیاسی جماعت بن کر رہ گئی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کی سیاسی جماعتیں جو طریقے اختیار کرتی ہیں جماعت اسلامی اس سے بھی گریز کرنا چاہتی ہے اور انقلابی طریق کار اپنانا چاہتی ہے' لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ کوّا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا!

## (۲) ایمان ویقین کی کمزوری:

ان تحریکوں کی ناکامی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ان میں ایمان پر وہ زور (emphasis) نہیں ہے جو ہونا چاہئے تھا۔ عام طور پر یہ سمجھا گیا کہ ہم مسلمان ہیں تو ہمارے پاس ایمان ہے۔ میں مسلمان ہوں تو اللہ' آخرت اور ختم نبوت کو تو مانتا ہوں۔ حالانکہ ایمان کے دو درجے ہیں' ایک ایمان اقرار باللسان والا ہے۔ وہ موروثی طور پر ہمیں والدین سے مل جاتا ہے جس کے نتیجے میں ہم دنیا میں مسلمان قرار دیئے جاتے ہیں۔ گویا یہ قانونی ایمان ہے۔ لیکن وہ ایمان جس کی بنیاد پر کوئی انقلابی تحریک چلتی ہے' وہ حقیقی ایمان یعنی تصدیق بالقلب والا ایمان ہے۔ اس لئے کہ تحریک میں قربانیاں دینی پڑتی ہیں' جانیں دینی پڑتی ہیں' تن من دھن لگانا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس کے لئے یقین والا ایمان درکار ہے۔ اس دنیا پر اتنا یقین نہ ہو جتنا آخرت پر یقین ہو۔ مادّی وسائل پر اتنا اعتماد نہ ہو جتنا اللہ پر اعتماد ہو۔ سارے وسائل موجود ہوں اور یقین یہ ہو کہ کچھ نہیں ہوسکتا اگر اللہ نہ چاہے اور اگر کوئی وسائل نہیں ہیں تب بھی مثبت نتیجہ نکل سکتا ہے اگر اللہ چاہے۔ جب تک اس درجے کا ایمان نہ ہو بات نہیں بنے گی۔ قلبی یقین کے بغیر ایمان کی حیثیت محض ایک موروثی عقیدے کی ہے۔

اس معاملے میں الاخوان کا معاملہ جماعت اسلامی سے بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی مادری زبان عربی تھی۔ لہٰذا مطالعۂ قرآن حکیم کے ذریعے ان کو قرآن کی گہرائی ذرا زیادہ نصیب ہوئی ہے' جبکہ یہاں پر ایسی کوئی خصوصی مہم نہیں چلائی گئی کہ جماعت اپنے کارکنوں پر لازم کرتی کہ پڑھے لکھے لوگ عربی سیکھیں۔ بس یہ کافی سمجھ لیا

گیا کہ مولانا مودودی کی تفہیم القرآن پڑھ لی جائے۔

ایمان کے ضمن میں یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ ایک ایمان ہے عوام الناس کا اور ایک ایمان ہے معاشرے کے دانش مند اور ذہین افراد یعنی Intellectual Minority کا۔ ان کے اندر ایمان پیدا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ عام آدمی کا دل اور دماغ کلین سلیٹ کی طرح ہوتا ہے۔ اس پر پہلے کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا۔ نہ اسے یہ پتہ ہے کہ ڈارون کس بلا کا نام ہے' نہ اسے یہ پتہ ہے کہ فرائڈ کس چڑیا کا نام ہے' یہ بھی نہیں جانتا کہ مارکس کون تھا' برٹرنڈ رسل کون تھا اور آئن سٹائن کون تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کے لئے وعظ و نصیحت بھی کفایت کر جاتی ہے۔ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق جو بات خلوص کے ساتھ آپ کے دل سے نکلی' زبان سے وارد ہوئی' وہ خلوص کے ساتھ مخاطب کے کانوں سے ہو کر دل میں اتر گئی۔ لیکن یہ جو پڑھے لکھے لوگ ہیں ان میں کوئی ڈارون کا اسیر ہے' کوئی مارکس کا گرویدہ ہے' کوئی کسی اور کے فلسفے میں سرگرداں ہے۔ لہٰذا ان کے اندر ایمان پیدا کرنے کے لئے پہلے ان کے دماغوں میں بھرے ہوئے خناس کی صفائی کرنی ہوگی۔ یعنی بڑے پیمانے پر ان کی تطہیر فکر ہو' پھر ان کے اندر ایمان پیدا ہوگا۔ یہ حصہ ان تحریکوں میں سرے سے مفقود رہا ہے۔ یہ کام اس علمی سطح پر ہونا چاہئے تھا جس سطح پر اقبال نے "Reconstruction of Religious Thought in Islam" کی صورت میں شروع کیا تھا اور ان کے بعد اللہ کے ایک بندے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور نے بھی ان خطوط پر کام کیا۔ لیکن یہ دونوں حضرات کسی جماعت یا تحریک سے وابستہ نہ تھے' لہٰذا ان کا یہ کام انفرادی کام شمار ہوگا۔ تحریکوں نے تو اس کام کی ضرورت و اہمیت کا احساس ہی نہیں کیا۔

## (۳) تشدد اور دہشت گردی:

احیائی تحریکوں کی ناکامی کا تیسرا اور سب سے بڑا سبب تشدد کے راستے کا اختیار کرنا ہے جسے دنیا آج دہشت گردی کا نام دے رہی ہے۔ اگرچہ ایک درجے میں

دہشت گردی کا جواز بنتا ہے کہ اگر کسی فرد کو دھونس اور دھاندلی کے ذریعے اس کے حقوق سے محروم کر دیا جائے' اسے ظلم وستم کا نشانہ بنایا جائے اور اسے بے بس ولاچار کر دیا جائے تو اس کی طرف سے غصے کا کسی طور اظہار تو ہوگا۔

دشنام' نالہ' ہاؤ ہو' فریاد' کچھ تو ہو
چیخے ہے درد اے دل برباد کچھ تو ہو!

آپ نے اسے دیوار سے لگا دیا تو آخر وہ کچھ تو کرے گا۔ ایسا شخص rules of the game کی پابندی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر کسی قوم کا یہ حال ہو کہ اسے چاروں طرف سے گھیر لیا جائے' اسے نظر آ رہا ہو کہ قومی سطح پر اس کی نسل کشی (Ethnic Cleansing) ہو جائے گی اور وہ frustration کا شکار ہو کر اس طرح کی حرکت کرے تو اس کے لئے یقیناً کوئی جواز ہو سکتا ہے۔ فلسطینیوں کو اس وقت یہی خطرہ لاحق ہے۔ اسرائیل شیرون کی قیادت میں دندناتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ظاہر ہے اس حوالے سے وہ کچھ تو کریں گے۔ چنانچہ میں فلسطینیوں کو پُرتشدد کارروائیوں میں حق بجانب سمجھتا ہوں۔ دو ہزار سال سے ایک قوم فلسطین سے نکلی ہوئی تھی' اسے ساری دنیا سے سمیٹ کر زبردستی ان کے سینے پر لا کر سوار کر دیا گیا اور ایک خنجر کی طرح پیوست کر دیا گیا۔ آخر یہ انصاف کے لئے کہاں جائیں؟ کون سا دروازہ کھٹکھٹائیں؟ اقوام متحدہ ہے تو وہ اسرائیل کی لونڈی ہے۔ امریکہ ہے تو وہ اسرائیل کو اپنا لے پالک بیٹا مانتا ہے' بلکہ حقیقت کے اعتبار سے اسے اپنا باپ مانتا ہے۔ آپ نے پہلے یہی سنا ہوگا کہ Zionist صرف یہودی ہوتا ہے' مگر اب کرسچین زائنسٹ اسرائیلیوں سے زیادہ بڑھ کر اسرائیل کے سپورٹر ہیں اور یہ پروٹسٹنٹ عیسائی ہیں۔ بہرحال کوئی مجبور اور مقہور قوم ردّعمل کے اظہار میں کوئی غلط حرکت کر بیٹھے تو اس کے لئے کوئی جواز ہو سکتا ہے۔ لیکن قیام اسلام اور احیائے اسلام کی جدوجہد میں اس دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بدقسمتی سے ان احیائی تحریکوں سے یہی غلطی ہوئی۔

یہ بات میں نے کئی مرتبہ کہی ہے کہ آج ذولفظ ''مسلم بنیاد پرست'' اور ''دہشت

گرد' بلا جواز ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے گئے ہیں۔ ہر مسلمان جو اسلام کو دین سمجھتا ہے' مذہب نہیں سمجھتا' وہ ان کے نزدیک بنیاد پرست ہے۔ ہاں جو دین کی بات نہ کرے' صرف مذہب کی بات کرے' وہ اسے گلے لگانے کو تیار ہیں۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ ہماری لڑائی اسلام سے نہیں' پولیٹیکل اسلام سے ہے۔ اسلام کو نظامِ زندگی بنانا انہیں گوارا نہیں ہے۔ یہ تو ان کے سیکولر نظام کے لئے دھمکی ہے۔ سیکولرزم کے علمبرداروں کی سوچ یہ ہے کہ تم اپنی نماز پڑھو' روزے رکھو۔ نماز دن میں پانچ کی بجائے دس پڑھو' روزے تیس کے بجائے ساٹھ رکھ لو' ہمارا کیا جاتا ہے۔ ہاں' ہمارے ہاں کام کرو گے تو پورے آٹھ گھنٹے کام کرنا پڑے گا' تنخواہ تب ہی ملے گی۔ بہرحال اسلام کے نفاذ کے لئے کوئی دہشت گردانہ انداز اختیار کرنا ایک انتہائی خوفناک غلطی ہے جو بعض احیائی تحریکوں سے ہوئی ہے۔

خوش قسمتی سے پاکستان کی جماعت اسلامی اس راہ سے بچ گئی ہے۔ لیکن عام طور پر عرب ممالک میں الاخوان کے زیر اثر یہ ہوا کہ جب بیلٹ کے ذریعے سے راستہ رک گیا' تو ان کے ایک گروپ نے فوراً بلٹ کی راہ اختیار کر لی۔ وہ جو فیض نے کہا ہے کہ ع جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے! انتخاب کے ہنگامے سے نکلے تو دہشت گردی کی راہ پر چل پڑے۔ مصر میں الاخوان میں سے ایک حصہ ٹوٹ کر الگ ہوا تو اس نے "التکفیر والہجرۃ" کا نام اختیار کر کے دہشت گردی شروع کر دی۔ انور سادات کو مارنے والے یہی لوگ تھے۔ انہی میں سے حزب التحریر پھوٹی تھی جس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ فوج کے اندر اپنے ہم خیال پیدا کر کے فوجی انقلاب برپا کرو۔ اسی طرح مصر میں "جماعۃ اسلامیہ" کے نام سے ایک جماعت کام کر رہی ہے جس کے لیڈر عمر عبدالرحمٰن اس وقت امریکی جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان پر بھی دہشت گردی کا الزام ہے۔ الجزائر میں بھی تشدد کا راستہ اختیار کیا گیا۔ وہاں انتخابات میں دینی عناصر کو کامیابی ہو رہی تھی لیکن وہاں کی فوج نے رکاوٹ ڈال دی۔ اس کے ردّعمل میں دینی عناصر نے تشدد کی راہ اپنالی اور فوجی دستوں اور فوجی ٹرکوں پر گرنیڈ پھینکے جانے لگے۔ اس کا نتیجہ

یہ نکلا کہ وہاں یہ تحریک تحلیل ہو کر رہ گئی ہے۔ ان چیزوں نے عالمِ اسلام کی احیائی تحریکوں کو بہت شدید نقصان پہنچایا ہے۔ آج ان تحریکوں پر دہشت گردی کا جو لیبل چسپاں ہو گیا ہے اس میں ہمارا اپنا دخل ہے' لہٰذا ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔

## غزوۂ اُحد کے تناظر میں قرآن حکیم سے راہنمائی

آغازِ خطاب میں مَیں نے سورۂ آل عمران کی جو آیات تلاوت کیں وہ غزوۂ اُحد کے پس منظر میں نازل ہوئی تھیں جس میں مسلمانوں کو شدید چرکہ لگا تھا اور ۷۰ مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ فرمایا: ﴿اَوَلَمَّا اَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَیۡہَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰی ھٰذَا ﴾ ''یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (غزوۂ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے۔'' غزوۂ بدر میں ۷۰ مشرکین مارے گئے تھے لیکن وہ سب کے سب قریش کے سردار تھے۔ یہاں (غزوۂ اُحد میں) ۷۰ صحابہؓ شہید ہوئے جن میں سردار بس ایک دو ہی تھے' اس لئے کہا گیا کہ تم نے ان کو دوگنا چرکہ لگایا تھا۔ جیسے آج ہم سوچ رہے ہیں کہ طالبان کے لئے اللہ کی مدد کیوں نہیں آئی؟ انہوں نے اسلامی حکومت قائم کی تھی تو یہ حکومت ختم کیوں ہو گئی؟ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی؟ فرمایا: ﴿قُلۡ ھُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِکُمۡ ﴾ ''(اے نبیؐ! ان سے) کہہ دیجئے کہ یہ تمہاری اپنی پیدا کی ہوئی مصیبت ہے''۔ تم نے غلطی کی تھی' تم نے ڈسپلن کو توڑا تھا' تم نے حکم کی خلاف ورزی کی تھی' اس کی تمہیں سزا دی گئی ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴾ ''یقیناً اللہ تو ہر شے پر قدرت رکھتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو روک سکتا تھا' وہ چاہتا تو سزا نہ دیتا' اس کے اختیار میں تھا' لیکن اس کی مشیت یہ تھی کہ تمہیں سبق سکھائے۔ ﴿وَمَاۤ اَصَابَکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰہِ ﴾ ''اور جو نقصان تمہیں اُس دن پہنچا جب دو فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی وہ اللہ کے اذن سے تھا''۔ جو کچھ ہوا ہے اللہ کے اذن سے ہوا

ہے اللہ کے اذن کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ﴿وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا﴾ ''اور یہ اس لئے تھا کہ اللہ جان لے کہ کون حقیقی مؤمن ہیں اور جان لے کہ کون منافق ہیں''۔ یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے کہ تم میں سے کون واقعتاً مؤمن ہیں اور کون ہیں جنہوں نے محض اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور حقیقت میں منافق ہیں۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ہمارے اپنے ہاتھوں کی غلطیاں اور کرتوت ہیں جن کی سزا ہمیں دنیا میں مختلف صورتوں میں ملتی ہے۔

جہاں تک طالبان کا تعلق ہے انہوں نے ہرگز کوئی دہشت گردی نہیں کی اور ان پر ایسا کوئی الزام بھی نہیں ہے۔ ان پر دنیا نے جو الزام عائد کیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے دہشت گردوں کی حمایت کی' دہشت گردوں کو پناہ دی۔ بدقسمتی سے اُسامہ بن لادن اور ان کی تنظیم القاعدہ نے دہشت گردی کا انداز اختیار کیا۔ انہوں نے کھلے طور پر امریکہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے۔ وہ اپنی کارروائیوں کے لئے احادیث اور سیرت سے دلائل لاتے ہیں۔ میرے پاس ان کے دیئے ہوئے دلائل کا فوٹوسٹیٹ موجود ہے جو اُن کے دو بڑے لیڈروں نے مرتب کیا ہے۔ میرے نزدیک ان کے دلائل سو فیصد درست ہیں لیکن ان کا انطباق سو فیصد غلط کیا گیا ہے۔ دراصل اس طرح کی کارروائیاں اسلامی حکومت کی طرف سے کی جا سکتی ہیں' جبکہ اُسامہ کے پاس کوئی حکومت نہیں تھی۔ چنانچہ ان کے کرنے کا کام یہ تھا کہ پہلے کہیں اپنی حکومت قائم کرتے۔ امریکہ کے خلاف انہوں نے جو کارروائیاں کیں ان کی بناء پر انہیں دہشت گرد قرار دیا گیا اور انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ حالانکہ مجھے یقین ہے اور آج بھی میں اس موقف پر قائم ہوں کہ ۱۱ ستمبر کو امریکہ میں جو ہوا یہ اُسامہ نے نہیں کیا۔ لیکن اُسامہ کے دوستوں اور ساتھیوں کے بعض بیانات سے خواہ مخواہ یہ نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ اسامہ نے تسلیم کر لیا ہے کہ یہ ان کا کام ہے۔ یہ تو دراصل اسرائیل کی ایجنسی موساد نے کروایا ہے۔ اسی طرح ۱۹۶۷ء میں بحیرۂ روم میں یو ایس لبرٹی پر بھی حملہ کیا گیا تھا۔ موساد نے ۱۱ ستمبر کے واقعے میں چند جذباتی اور بپھرے ہوئے عرب نوجوانوں کو

استعمال کیا ہے جنہیں اندازہ ہی نہیں ہوا کہ انہیں موساد استعمال کر رہا ہے۔ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نوجوان کا رابطہ اسامہ بن لادن کے ساتھ تھا۔ بہرحال یہ اسلامی تحریکوں کی بحیثیت مجموعی بہت بڑی بدقسمتی رہی ہے۔

## جہاد افغانستان اور جہادِ کشمیر کی نوعیت

اس تشدد اور دہشت گردی کا سب سے بڑا ذریعہ ''جہاد افغانستان'' بنا ہے جو کہ روس کے خلاف ہوا اور جس کی امریکہ نے پشت پناہی کی۔ اس طرح امریکہ نے اس کے ذریعے اپنا ایک عظیم مقصد حاصل کر لیا اور U.S.S.R کی تحلیل کے بعد آج دنیا یونی پولر ہو گئی ہے۔ آج آپ کسی اور طرف دیکھ ہی نہیں سکتے۔ آج بش صاحب جو چاہیں کہہ دیں' کوئی ان سے پوچھ نہیں سکتا کہ صاحب آپ کی دلیل کیا ہے؟ آج روس بھی منقار زیر پر ہے۔ اسے اپنی مصلحتیں لاحق ہیں۔ اس سے پہلے بائی پولر ورلڈ تھی' طاقت کا توازن موجود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امریکہ ایرانی انقلاب کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس صورت میں روس اپنی فوجیں ایران میں داخل کر دے گا۔ روس کی ۳۰ ڈویژن فوج ایران کی شمالی سرحد پر موجود تھی جو امریکی مداخلت پر فوراً حرکت میں آ جاتی۔ لہٰذا ان دونوں طاقتوں نے ایک دوسرے کو تھام لیا اور نیچے ایرانی انقلاب کو سانس لینے کی جگہ مل گئی۔ ورنہ اگر اس وقت بھی امریکہ تنہا سپر پاور ہوتا تو وہ چند دنوں میں ایران کو بھی تہس نہس کر دیتا۔

بہرحال اس جہاد افغانستان کو ''جہاد فی سبیل اللہ'' قرار دینا ہماری سب سے بڑی حماقت تھی۔ روسیوں کے خلاف افغانیوں کے اس جہاد کو میں جہاد تسلیم کرتا ہوں' لیکن یہ جہادِ حریت تھا' جہاد فی سبیل اللہ نہیں تھا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ اس کے لئے پہلے دعوت دی جاتی ہے' پھر لوگوں کی تربیت کی جاتی ہے' انہیں منظم کیا جاتا ہے اور ایک امیر کی قیادت میں جہاد ہوتا ہے۔ وہ مختلف ٹکڑیوں اور گروہوں کی صورت میں نہیں ہوتا۔ اس جہاد کے بعد امن و امان اور استحکام ہوتا ہے' آپس کی

خانہ جنگی نہیں ہوتی۔ وہ جہاد حریت تھا اور جائز تھا۔ البتہ طالبان کی اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد اُن کے خلاف جو لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے ان کی حیثیت باغیوں کی تھی اور ان کے خلاف طالبان کا جہاد جہادِ فی سبیل اللہ تھا۔

افغانستان میں روس کے خلاف جو جہادِ حریت ہوا اسی کا فال آوٹ کشمیر میں ہوا۔ جہاد کشمیر بھی جہادِ حریت تھا اور میں نے اسے کبھی ایک دن کے لئے بھی جہاد فی سبیل اللہ تسلیم نہیں کیا۔ میں نے اسے ہمیشہ جہاد حریت کہا ہے۔ کشمیر کے لوگوں کو حق حاصل ہے کہ وہ آزاد ہونا چاہتے ہیں تو اس کے لئے جدوجہد کریں اور غاصب بھارتیوں کے خلاف جنگ کریں۔ لیکن اس ضمن میں میری رائے ہمیشہ یہ رہی ہے اور میں نے ہمیشہ اس کا اظہار کیا ہے کہ اس کے لئے پولیٹیکل موومنٹ ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتی' بجائے اس کے کہ بھارتی فوج کا ایک ٹرک پندرہ بیس جوانوں کو لے کر جا رہا ہے' اس پر ہینڈ گرنیڈ پھینک دیا گیا' چار چھ فوجی زخمی ہوئے' آٹھ دس مارے گئے۔ اس سے فوج میں اشتعال اور زیادہ بڑھ گیا۔ انہیں پتہ ہے کہ یہ گرنیڈ آسمان سے تو نہیں آیا' پھینکنے والا یہیں کہیں ہے' کسی گھر میں گھس کر چھپ گیا ہوگا۔ لہٰذا وہ ایک ایک گھر کی تلاشی لیں گے اور یہ بھوکے بھیڑیئے جب گھروں میں داخل ہوں گے تو کیا کسی کی عزت و آبرو محفوظ رہ سکے گی؟ انہیں گھر کے اندر کون لے کر گیا؟ وہی جس نے ہینڈ گرنیڈ پھینکا۔ ورنہ اگر دس ہزار آدمیوں پر مشتمل کوئی جلوس نکلتا اور اس جلوس پر گولی چلتی جس میں بیس آدمی بھی جاں بحق ہو جاتے تو دنیا اسے کسی اور نظر سے دیکھتی۔ لیکن وہاں جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے اسے دنیا دہشت گردی قرار دیتی ہے اور اس صورت حال کا کشمیریوں کو ازحد نقصان ہوا ہے۔ بے چارے کشمیری کتنے مارے گئے' کتنی عورتیں بے آبرو ہوئیں' لیکن حاصل کچھ نہ ہو سکا۔ اس کے برعکس اگر سیاسی تحریک ہوتی تو اب تک بھارت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا۔

سیاسی تحریک کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔ اندرا گاندھی نے اپنے دورِ حکومت میں دو صوبائی حکومتوں کو بیک وقت ختم کر دیا۔ ان میں سے ایک آندھرا پردیش اور دوسری

مقبوضہ کشمیر کی حکومت تھی۔ آندھرا پردیش کا وزیر اعلیٰ این ٹی راما راؤ تھا جبکہ مقبوضہ کشمیر کا ڈاکٹر فاروق عبداللہ تھا' جو اب بھی وہاں کا وزیر اعلیٰ ہے۔ اندرا گاندھی کے اس اقدام پر آندھرا پردیش سے دو لاکھ آدمی چل کر دہلی پہنچ گئے' حالانکہ آندھرا پردیش دہلی سے تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہے' جبکہ سری نگر زیادہ سے زیادہ چار سو میل کے فاصلے پر ہوگا لیکن وہاں سے ایک آدمی بھی نہیں گیا۔ آندھرا پردیش سے دو لاکھ آدمیوں نے جا کر سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کر لیا کہ ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھیں گے جب تک ہماری حکومت بحال نہیں ہو جاتی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ تم اس حکومت کو ختم کرنے والے کون ہوتے ہو جسے ہم نے اپنے ووٹوں سے منتخب کیا ہے۔ چنانچہ اندرا گاندھی کو این ٹی راما راؤ کی حکومت بحال کرنا پڑی۔ ان لوگوں نے سیاسی تحریک چلا کر اپنا مطالبہ منظور کروالیا۔ جبکہ دوسری طرف کشمیر میں یہ ہوا کہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کا بہنوئی بخشی غلام محمد اندرا گاندھی کے حضور حاضر ہو گیا کہ میں یہ خدمت بجالانے کے لئے تیار ہوں۔ قومی سطح پر سیاسی اعتبار سے کسی ایک کی نکسیر نہیں پھوٹی کہ ہماری حکومت کیوں ختم کر دی گئی۔ چنانچہ اگر وہاں سیاسی تحریک ہوتی تو اس کے نتائج کچھ اور ہوتے۔

## سیاسی اور غیر سیاسی اسلام کی تفریق

اسلامی نظام کے قیام کے لئے تشدد کا راستہ اختیار کیا جانا واقعتاً ایک عظیم غلطی ہے جس کی بنیاد پر آج دنیا میں بنیاد پرستی اور دہشت گردی کو لازم و ملزوم سمجھا جا رہا ہے۔ گویا ہمارے اپنے غلط طرز عمل کی وجہ سے مغرب کو موقع مل گیا کہ وہ دہشت گردی کو ختم کرنے کے بہانے فعال جہادی گروپوں کے ساتھ ساتھ ان اسلامی تحریکوں کو بھی ختم کرنے کے درپے ہے جو اسلام کو ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے غالب و قائم کرنے کی جدوجہد میں سرگرم عمل ہیں۔ اور اب وہاں کے دانشور لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اسلام کے خلاف نہیں ہیں' ہم اسلام کے خلاف جنگ نہیں لڑیں گے' بلکہ اسلام کے اندر جنگ ہونی چاہئے۔ (We want a war within Islam) وہ چاہتے ہیں کہ

اسلام کا صرف مذہبی تصور رکھنے والے مسلمان ان لوگوں سے ٹکرا جائیں جو اسلام کو بحیثیت نظام غالب کرنا چاہتے ہیں‘ جو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی نظام حکومت قائم ہو‘ جو یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا نظامِ معیشت و معاشرت قائم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تبلیغی جماعت پر تو کوئی پابندی نہیں‘ کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسرائیل میں نہیں تو اور کہاں ہوگی۔

اب پوری مغربی دنیا اور اس کے مشرقی حلیفوں نے بنیاد پرستوں کے اسلام کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ یعنی وہ اسلام جو ریاست قائم کرنا چاہتا ہے‘ وہ اسلام جو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے غالب آنا چاہتا ہے‘ اس کے خلاف ان کا اعلان جنگ ہے‘ جبکہ ”غیر سیاسی“ اسلام سے ان کی کوئی جنگ نہیں ہے۔ چنانچہ پاکستان میں بھی اسلام کو ایک Politico Socio Economic System سمجھنے والے لوگوں کے خلاف اب اقدامات ہوں گے اور اس بارے میں جو گٹھ جوڑ ہو رہا ہے اس کے نتائج جلد سامنے آ جائیں گے۔ صدر صاحب تو بڑی آسانی سے توبۃ النصوح کر لیں گے جس طرح پہلے بھی کر چکے ہیں۔ پہلے انہوں نے پوری ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ افغان پالیسی میں فل یوٹرن لیا۔ کبھی انہوں نے ”جہاد اور ہے دہشت گردی اور ہے“ کا راگ الاپا تھا‘ اب انہیں اپنا تھوکا چاٹنا پڑے گا‘ اب وہ جہادی تحریکوں کو disown کریں گے اور ختم کریں گے۔ بھارت نے اپنی تمام افواج پوری جنگی تیاری کے ساتھ ہماری سرحدوں پر لا کھڑی کی ہیں۔ اس کی تاریخ میں پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اس نے اپنی تیاری میں کوئی کسر کسی پہلو سے نہیں چھوڑی۔ اس نے وار ٹیکس لگا دیا ہے۔ وہ آپ سے اس کی پوری قیمت وصول کر کے رہے گا۔ وہ بیس آدمی مانگ رہا ہے اور وہ لے گا۔ آپ کو دینا ہوں گے۔ جب آپ یہ طے کر چکے ہیں کہ پاکستان کو بچانا ہے تو پھر یہی طریقہ ہے۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر آپ کو اپنی ایٹمی صلاحیت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اس کے بغیر اسرائیل کبھی نہیں مانے گا۔ آپ کا معاملہ صرف بھارت سے نہیں ہے‘ آپ کے خلاف بھارت اسرائیل گٹھ جوڑ ہو چکا ہے۔ بھارت کو سب سے بڑی امداد اسرائیل دے رہا ہے۔ انتہائی sophisticated ریڈار اور دیگر آلات

اسرائیل فراہم کر رہا ہے۔ بھارت اور اسرائیل دونوں کو امریکی سرپرستی حاصل ہے اور اس طرح اسرائیل امریکہ اور بھارت گٹھ جوڑ بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ اور تازہ ترین خبر کے مطابق ان کا گٹھ جوڑ اب ایران کے خلاف بھی ہوگا۔ وہ جہاز پکڑ لیا گیا ہے جس میں ۵۰ ٹن اسلحہ تھا۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ یہ فلسطینی اتھارٹی کے لئے ایران سے آیا ہے۔ امریکہ نے بھی کہا ہے کہ باوثوق ذرائع سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور اب ایران پر حملہ کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہوگی۔ روس کی تو ہمت ہی نہیں ہے سر اٹھانے کی۔

آپ لوگ گواہ ہیں کہ میں ایک زمانے میں کہا کرتا تھا کہ اگر تین ملک پاکستان' ایران اور افغانستان (PIA) یک جا ہو جائیں تو اس دجالی فتنے یعنی نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات نیو ورلڈ آرڈر کے پاسبانوں کو بھی معلوم ہے۔ لہٰذا وہ ان تینوں سے ایک ایک کر کے نمٹ رہے ہیں۔ پہلے افغانستان کو ہمارے ذریعے سے مروایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ دوسرا نشانہ ہم ہیں۔ آپ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ بھارت جو کچھ کر رہا ہے وہ خود کر رہا ہے یا اس سے کروایا جا رہا ہے۔ ہمارے صدر صاحب بھی امریکی سفیرہ سے پوچھ رہے ہیں کہ بھارت کی حمایت میں امریکہ آخر کہاں تک جائے گا؟ یعنی کوئی حد ہے کہ جس سے آگے امریکہ نہیں جائے گا؟ ۱۹۶۵ء میں ہمیں یہی مغالطہ لاحق رہا۔ ہمارے وزیر خارجہ کو یقین دلایا گیا تھا کہ بھارت بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کرے گا۔ لہٰذا ہم نے اپنے کمانڈوز کشمیر میں داخل کر دیئے اور بھارت نے حملہ لاہور پر کیا۔

## پس چہ باید کرد؟

ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ کیا ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا چاہئے! قوموں کی زندگی میں نشیب و فراز تو آتے ہیں۔ غزوۂ اُحد میں جبکہ مسلمان زخموں سے چور تھے' ابھی شاید مرہم پٹی بھی نہیں ہو پائی تھی کہ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ تیار ہو جاؤ' اب ہمیں ان مشرکین کا تعاقب کرنا ہے۔ اس پر سب حیران رہ گئے۔ قرآن حکیم نے

سورۂ آل عمران (آیات ۱۶۵۔۱۶۷ میں) اُس وقت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۚ﴾

''جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا' ان میں سے جنہوں نے احسان اور تقویٰ کی روش اختیار کی ان کے لئے بڑا اجر ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اس وقت فوراً تیار ہو گئے کہ لبیک اللہ کے رسول! ہم حاضر ہیں۔ اگرچہ ہمارے جسم چھلنی ہیں لیکن ہم چلیں گے' تعاقب کریں گے۔

﴿اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ﴿﴾

''وہ لوگ کہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں' ان سے ڈرو تو (ان اہل ایمان کا ردعمل یہ تھا کہ) ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا' اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے''۔

﴿فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ ﴿﴾

''آخر کار وہ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ ایسے لوٹ کر آئے کہ انہیں کوئی برائی نہیں پہنچی (کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا) انہوں نے اللہ کی رضا جوئی کو قبول کیا (اسی کو اپنا نصب العین بنایا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

سورۂ آل عمران کی ان آیات میں ہمارے لئے بھی یہ رہنمائی ہے کہ اس طرح کی اونچ نیچ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے' بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے مسلسل محنت' کوشش' جدوجہد کرتے رہنا چاہئے۔ بقول فیض ؎

یہ فصل امیدوں کی ہمدم اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبحوں شاموں کی اب کے بھی اکارت جائے گی
دھرتی کے کونے کھدروں میں پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اشکوں سے پھر اگلی رُت کی فکر کرو

پھر اگلی رُت کی فکر کرو جب پھر اک بار اجڑنا ہے
اک فصل پکی تو بھر پایا تب تک تو یہی کچھ کرنا ہے

موجودہ حالات میں اب ہمیں اقامت دین کی جدوجہد کے ضمن میں کیا کرنا چاہئے‘اس موضوع پر ان شاء اللہ اگلے جمعہ کو گفتگو ہو گی!

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات


رسید کتب

جذب دروں‘ شوقِ زیارت اور عقیدت و محبت
سے معمور زیارتِ حرمین شریفین کی روداد

# شوقِ حرم

ازقلم: عتیق الرحمٰن صدیقی (ہری پور)

تقدیم: حافظ محمد ادریس (امیر جماعت اسلامی پنجاب)

زائرین حرمین شریفین کے لئے ایک راہ نما کتاب

دیدہ زیب ٹائٹل‘ سفید کاغذ‘ عمدہ طباعت

صفحات: 100 قیمت: 45 روپے

شائع کردہ: نور اسلام اکیڈمی‘

پوسٹ بکس 5166 ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 58847898

# سانحۂ افغانستان کے اصل محرکات

تحریر: عابداللہ جان

اِک دانشِ نورانی، اِک دانشِ برہانی
ہے دانشِ برہانی حیرت کی فراوانی!

برسوں سے امریکہ کا افغانستان کی اسلامی امارت کو نشانہ بنائے رکھنے کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ دیگر مسلمان طالبان کی شکست کو دانشِ برہانی کی نظر سے دیکھیں اور اس سے وہی نتائج اخذ کریں جو کہ بہت سے صحافی حضرات حیرت کی فراوانی کے عالم میں اخذ کر کے مختلف اخبارات کی نذر کر رہے ہیں۔ یہ پڑھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے مفکّر اور باخبر حضرات کس قدر خلوص سے وہ سب کچھ تجویز کر رہے ہیں جو کہ امریکا کی اسلام کے خلاف جنگ کی ایک اہم چال ہے اور جو کچھ بھی وہ ہم سے کہلوانا چاہ رہا ہے ہم کہے جا رہے ہیں۔

بدقسمتی سے ہماری نظروں کو صرف ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات نظر آ رہے ہیں اور اسی کے مطابق نتائج اور سبق اخذ کیے جا رہے ہیں۔ طالبان کی ظاہری شکست سے سبق اخذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ آیا ملا عمر، اُسامہ بن لادن اور ان کے دیگر احباب اس قدر اندھے تھے کہ جو کچھ ہم اب سوچ رہے ہیں اور تجویز کر رہے ہیں وہ انہیں بالکل نظر نہ آیا جس کی وجہ سے وہ پیش بندی کر سکتے۔ یا پھر حقیقت یوں ہے کہ کچھ اور ایسے عوامل اور عناصر تھے جن کی وجہ سے یہ دن ان کے نصیب میں لکھے جا چکے تھے۔

صرف آنکھ کے نور پر یقین رکھنے والے کہیں گے کہ طالبان کی داڑھیوں اور برقعوں سے جنون کی حد تک محبت، لڑکیوں پر تعلیم کی بندش، بتوں کی مسماری، ٹی وی، وی

سی آر پر پابندیاں اور اُسامہ کی شہرت پسندی' بلند بانگ دعوے اور اپنی طاقت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا طالبان کی حکومت اور القاعدہ کی تنظیم کو لے ڈوبی۔ اور یہ عناصر نہ صرف عالمی برادری بلکہ افغان عوام میں بھی ان کی بددلی کا باعث بنے۔

ضرورت صرف حالیہ خبروں اور تبصروں پر اکتفا کرنے کی بجائے اصل حقیقت تلاش کرنے کی ہے کہ: آیا اسلامی شریعہ کا نفاذ اور اُسامہ کی بے وقوفیاں دین اور امت کو نقصان پہنچانے کا سبب بنیں یا پھر وہ کچھ اور ہی عناصر تھے جو اسلامی تحریکوں کو کچلنے کی نیت سے موجودہ تباہی اپنے ساتھ لائے؟ اگر چہ طالبان کے خلاف لگائے جانے والے ہر الزام کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک پوری کتاب درکار ہے' لیکن یہاں اتنا کہنے سے شروع کرنا کافی ہوگا کہ جن کا خیال ہے کہ امریکا نے افغانستان کو روسی شکست کے بعد یکہ وتنہا چھوڑ دیا تھا تو یہ غلط ہے۔ اگر چہ امریکہ نے افغانستان کی تعمیر نو میں کوئی حصہ نہ لیا مگر اس کی حکومتوں کے بدلنے اور مختلف لیڈروں پر داؤ لگانے کا کام جاری وساری رہا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان تئیس برسوں میں وہ ڈھکے چھپے طریقوں سے ایسی کوئی حکومت نہ بنا سکا جو اس کی غلام ہو۔

مختلف داؤ ہارنے کے بعد امریکا نے آئی ایس آئی اور سی آئی اے کی مدد سے طالبان کی حکومت قائم کرنے میں کافی اہم کردار ادا کیا اور اس امید کے ساتھ کہ نہ صرف وہ امریکہ کا کام کرے گی بلکہ ایران کے لئے بھی محاذ ثابت ہوگی۔ اور ۹۵۔۱۹۹۴ء میں تو امریکی اخبارات نے طالبان کو آسمان سے اترنے والی کسی فرشتہ صفت مخلوق سے تشبیہہ دی۔ مگر اس کے بعد ان کے سب سے بڑے اور ناقابل معافی جرم کا آغاز ہوا اور وہ تھا ان کا ایک اسلامی امارت کا قیام اور امریکہ کے اچھے برے' ہر قسم کے احکامات تسلیم کرنے سے انکار۔ وہ دن اور ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کا دن کہ امریکا کی ایجنسیز اور اس کا میڈیا سر توڑ کر طالبان کے پیچھے پڑ گیا۔ جو جنگ ہم نے ۷/اکتوبر کے بعد دیکھی وہ امریکی حکام کے ذہنوں میں ۱۹۹۸ء سے لے کر ۷/اکتوبر تک ہزاروں مرتبہ لڑی گئی۔ دیر صرف مختلف حربوں کے استعمال اور ایک مؤثر

بہانے کی تھی۔ ۱۱؍ستمبر نے بہر حال ان کو وہ بہانہ فراہم کر دیا۔ مگر یہ تصور غلط ہے کہ اگر اُسامہ شہرت پسند نہ ہوتے' بلند بانگ دعوے نہ کرتے' جہاد کے فتوے نہ دیتے تو افغانستان پر یہ تباہی نہ آتی۔ درحقیقت تباہی طالبان پر ہر صورت میں آنی تھی' اُسامہ سمیت تمام کے تمام الزامات صرف وہ بہانے تھے جو کے امریکی نظام کے بجائے ایک اسلامی نظام حکومت کے قیام کی سزا کے لئے بہر حال استعمال ہونے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ شروع میں طالبان نے کافی سختی کی اور ایک ملک جس میں برسوں خونریزی ہوئی ہو اور قتل اور ڈاکے لوگوں کا روزگار بن گیا ہو' وہاں امن قائم کرنے کے لئے انہوں نے ایسے ہی قوانین لاگو کرنے تھے۔ اگر امریکا میں تمام شہری آزادیاں صرف تین ہزار لوگوں کے مرنے اور دو حادثے ہونے کے بعد ختم ہو سکتی ہیں تو کیا افغانستان میں لاکھوں عوام کے مرنے اور برسوں کی خونریزی کے بعد کچھ سختی کئے بغیر طالبان امن وامان کی صورت حال بحال کر سکتے؟

ان باتوں سے قطع نظر' جب طالبان کی پالیسیوں میں لچک آئی تو کیا وہ رپورٹر جواب طالبان کی شکست پر جشن مناتے نہیں تھکتے' کبھی امریکی عوام کے سامنے یہ بات لائے کہ طالبان کے خلاف تمام پروپیگنڈے بے بنیاد ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان کے دور میں کابل یونیورسٹی میں میڈیکل کے شعبے میں عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں۔ مثلاً یہ کہ لڑکیوں کی تعلیم پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ مثلاً یہ کہ طالبان کی کئی درخواستوں کے باوجود ڈونرایجنسیز نے ان کی کوئی مدد نہ کی کہ وہ خواتین کے سکول فعال کر سکتے۔ کابل یونیورسٹی کے چانسلر پیر محمد روحانی صاحب نے خود مجھے ایک پوری فائل ایسی درخواستوں کی بتائی جو انہوں نے خواتین کے سکول فعال بنانے کیلئے مختلف ڈونرایجنسیوں کو دی تھیں مگر کوئی ادارہ بات سننے کیلئے تیار نہیں تھا۔ ہمارا کون سا رپورٹر تھا جس نے یہ خبر دی کہ ۸ مارچ کو طالبان نے یوم خواتین منایا تھا جس میں کئی خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور کابل میں ایک برطانوی مسلم امدادی فنڈ اور پاکستانی احباب کی مدد سے کئی سکول کام کر رہے تھے۔

طالبان کی طرف سے ہر قسم کی لچک اور مفاہمت کی کوشش بے کار تھی' کیونکہ امریکہ کی تمام توجہ ان کو ایک اسلامی نظام حکومت مضبوط کرنے سے روکنے پر مرکوز تھی اور دنیا کے سامنے اسلامی نظام' اسلامی ریاست کے تصور اور امامت کے مقام کو رسوا کرنا تھا۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں سے مسلمانوں کے سبق کا آغاز ہوتا ہے نہ کہ ۱۱ ستمبر کے بعد رونما ہونے والے واقعات سے۔ ضرورت اس بات کی نہیں کہ ہم یہ تقریریں کرتے پھریں کہ اسلام دہشت گردی کے خلاف ہے بلکہ اس بات کی ہے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی حکومت مغرب کی دشمن نہیں ہوگی۔ یہ صرف بادشاہوں اور اسلامی دنیا کے دیگر مطلق العنان بادشاہوں کی چال ہے کہ اسلامی حکومت کو مغربی دنیا کا دشمن ثابت کرنے پر تلے ہیں۔ طالبان کی حکومت پر نظر ڈالنے سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ مغربی پروپیگنڈہ سے کیسے ہماری نظریں طالبان اور اُسامہ کی معمولی غلطیوں پر تو مرکوز ہیں لیکن امریکی' اسرائیلی' روسی اور بھارتی دہشت گردی اور حقوق انسانی کی بدترین خلاف ورزیاں ہماری نظروں میں ہیچ ہیں۔ اگر موجودہ حالات کے لئے کوئی زیادہ ذمہ دار ہے تو نہ صرف طالبان اپنی کمزور میڈیا پالیسی کی وجہ سے بلکہ اسلامی دنیا کے اخباری اور ٹی وی نمائندے جو کہ ہزاروں میل دور سے امریکی پروپیگنڈے کو تو نقل کر کے اپناتے رہے مگر سرحد پار کے حقائق بیان کرنے سے قاصر تھے۔

ایک اور اہم بات جو کہ ہم نظر انداز کر رہے ہیں وہ یہ کہ امریکی نام نہاد مفکرین اور پروپیگنڈہ سپیشلسٹ اپنے پالیسی بنانے والوں کو مسلمانوں کے مابین جنگ کی دعوت دے رہے ہیں اور اس کے لئے ہتھیار تشکیل دے رہے ہیں مگر ہم بڑے خلوص کے ساتھ وہی ہتھیار اپنے خلاف استعمال کئے جا رہے ہیں' وہ یوں کہ ہمارے مسلمان بھائی کارل انڈر فرتھ اور دیگر کافروں کی طرح یہ کہتے نہیں تھکتے کہ طالبان کا اسلام یا پرویز مشرف اور معین الدین حیدر کا اسلام ایک نہیں۔ نیوز ویک کے کارلا پادر کو انٹرویو دیتے ہوئے مشرف صاحب نے مارچ ۲۰۰۱ء میں کہا تھا کہ میرے ساتھ جو جنرل بیٹھا ہے وہ پانچ وقت نماز پڑھتا ہے مگر میرا کوئی اور طریقہ ہوگا اور میں ماڈریٹ ہوں۔ اگر

کوئی مسلمان واضح اسلامی احکامات پورے کرنے سے قاصر ہے تو بھلے سے ہو وہ اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے مگر اس کو نیا طریقہ کہنا یا کوئی نیا نام دینا ہرگز اسلام یا مسلمانوں کو انتہا پسند' آزاد یا درمیانے درجے میں تقسیم نہیں کرتا۔ طالبان کا اسلام' مختلف اسلام نہیں تھا جو انہوں نے گھر میں ایجاد کیا تھا۔ شرعی طور پر انہوں نے وہی قانون لاگو کیے تھے جو سعودی عرب میں رائج ہیں اور وہیں کے عالموں نے طالبان کی رہنمائی کی تھی۔ پھر کیوں نہ سعودیوں کا تختہ الٹ دیا جائے بجائے اس کے کہ وہاں پر فوجیں تعینات کر کے ان کی شہنشاہیت کی حفاظت کی جائے!

یہیں پر واضح ہو جاتا ہے کہ مسئلہ صرف انسانی حقوق یا جمہوری اور غیر جمہوری طرز عمل یا دہشت گردی کا نہیں بلکہ صرف امریکی مفاد کا ہے' اور ہمارا یوں امریکہ کے ہاتھوں کھلونا بن کر ایک دوسرے کو صحیح مسلمان نہ کہنا سراسر زیادتی ہے۔

دینی جماعتوں کے لیڈروں کا قصور یہ نہیں کہ وہ بانس کو بکری نہیں کہہ رہے' اگر وہ بانس کو بانس کہہ رہے ہیں تو یہی وقت کا تقاضا ہے۔ البتہ ان کا قصور یہ ہے کہ ہر ایک اپنی دکان چمکانے میں مصروف ہے اور اس اُمید پر ہے کہ الیکشن ہوں گے اور ان کو موقع ملے گا کہ اسلامی شریعت کا نفاذ کر سکیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس الیکشن کے طریقہ کار اور اس الگ دکان بازی سے وہ کبھی کامیاب ہو ہی نہیں سکتے اور دوسری بات یہ کہ اسلامی شریعت کل اسلامی امارت اور اسلامی نظام کا ایک حصہ ہے۔ اگر آپ نے لوگوں کو معاشی' روحانی' مالی اور معاشرتی نظام ہی مہیا نہیں کیے جو کہ ان کو اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے کا موقع دیں تو کیسے ان پر اسلامی قانون نافذ کریں گے؟ اور یہاں پھر طالبان کا قصور واضح ہوتا ہے' کیونکہ وہ دنیا کے سامنے ایک ایسی مملکت پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے جس میں یہ تمام کے تمام نظام مکمل طور پر کام کر رہے ہوتے۔ اور یہی امریکہ کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ اسلامی امارت کے استحکام کے لیے سکون' وقت اور دیگر مسلم ممالک کی جانب سے رہنمائی درکار تھی جو کہ انہیں نہ ملی۔ اس لئے ان کے زوال میں ان کا اپنا قصور اتنا نہیں

جتنا سی آئی اے کے ایجنٹوں کا ہے جو مفتیوں کے روپ میں افغانستان جا کر طالبان سے وہ کام کرواتے رہے جو صرف ان کی بدنامیوں کو جلا بخشتے رہے۔ ادھر ہم قرآن اور احادیث کو چھوڑ کر انڈر فرتھ کی بات کو زیادہ ترجیح دیتے ہوئے یہ کہتے رہے کہ طالبان انتہا پسند ہیں اور پاکستانی مسلمان ماڈریٹ یا لبرل ہیں۔ کیا اسلام میں کہیں اس طرح کی تفریق ہے کہ اگر آپ سو فیصد اسلامی اصولوں پر کاربند ہیں تو آپ انتہا پسند ہیں' اگر آپ پانچ کی بجائے صرف دو نمازیں پڑھتے ہیں تو آپ ماڈریٹ ہیں اور اگر آپ خود کو دین سے آزاد سمجھتے ہیں تو آپ لبرل ہیں؟

اُسامہ ایک بہانہ تھا۔ اس کے فتوے اس لحاظ سے بے معنی تھے کہ خود امریکہ میں امریکہ پر اس سے زیادہ سنجیدہ فتوے لگانے والے امریکی بیٹھے ہیں مگر وہ ایک متبادل نظامِ حکومت چلانے کیلئے مالی امداد فراہم نہیں کر رہے ہیں۔ اُسامہ کے فتووں سے زیادہ اس کی طالبان حکومت کے لئے وہ امداد تھی جو کہ اقوام متحدہ کی پابندیوں کو بے معنی بنائے ہوئے تھی۔ اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ طالبان یا اُسامہ کو اس بات کا بالکل احساس ہی نہ تھا کہ افغانستان کی تعمیر و ترقی' افغان بچوں کی تعلیم اور اعلیٰ معیار کی یونیورسٹیاں قائم کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ کس کو علم ہے کہ وہ ان خطوط پر کام نہیں کر رہے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ طالبان حکومت کو چین سے سانس لینے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔

ایران' ترکی' اسرائیل' ماسکو' بھارت' فرانس اور نہ جانے کہاں کہاں سے شمالی اتحاد کو پیسہ اور امداد ملتی رہی تاکہ طالبان کو سکون سے سانس لینے کا موقع میسر نہ ہو۔ دوسری طرف عالمی پابندیوں اور حکومت کو تسلیم نہ کرنے کی ضد اور تیسری طرف اُسامہ پر میزائلوں کی بارش۔

سلیم صافی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر اُسامہ اپنی زبان بند رکھتے تو کبھی ان کاموں کے لئے ان کی طرف نظریں نہ اٹھتیں۔ منہ بند رکھنا تو درکنار' اُسامہ نے تو قرآن پر ہاتھ رکھ کر جنرل حمید گل کے سامنے قسم کھائی تھی کہ وہ افریقہ میں ہونے والے واقعات میں ملوث نہیں' مگر کیا امریکا نے اسے معاف کیا؟ نہیں۔ اس نے اُسامہ کے سر پر

لاکھوں ڈالر کی امداد کا اعلان کیا۔ایسی صورت میں امریکہ پر آنے والی تباہی پر اُسامہ کا خوش ہونا بھی فطری عمل تھا۔اس کا جرم دہشت گردی نہیں بلکہ طالبان کی حکومت کو مستحکم کرنا تھا اور وہ امریکہ کا ہدف تھا۔خواہ وہ مجرم تھا یا نہیں' یہ دن اس کا مقدر بن چکا تھا۔

کسی نہ کسی کو بارش کا پہلا قطرہ بننا پڑتا ہے۔اگر ہم یہ کہیں کہ یہ حق اور باطل کا ایسا آخری معرکہ تھا جس میں امریکا نے اپنے آپ کو مظلوم دکھایا اور اپنے آپ کو مضبوط ظاہر کرنے والوں کو شکست دے دی تو یہ صحیح ہے کہ نظر آنے والی آنکھ کو بلند بانگ دعوے کرنے والے ذلیل وخوار نظر آئے۔مگر کس کو علم ہے کہ یہ انجام تھا یا محض ایک ابتداء!علامہ اقبال کہتے ہیں ؂

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

میں بھی مسلمان ہوں اور ساری زندگی مسلمانوں میں گزاری لیکن اللہ پر بھروسہ اور یقین کی وہ حد جو میں نے بذات خود اُسامہ میں اور اس کے لہجے میں دیکھی' وہ کسی اور شخص میں کسی اور بات کیلئے بھی نہیں دیکھی اور یہی وہ یقین کی حد ہے جسے عام آنکھ صرف طاقت کے بلند بانگ دعوؤں کی صورت میں دیکھتی ہے۔

جہاں تک اُسامہ پر گھوڑے پالنے اور شاہی زندگی گزارنے کا الزام ہے تو پہلی بات یہ کہ یہ اس کا ذاتی معاملہ تھا اور دوسری یہ کہ اس کے قریب رہنے والے جانتے ہیں کہ وہ کس قدر خاکسار انسان تھا۔اگر عیاشی اور عیش وعشرت اس کے مزاج میں ہوتی تو وہ افغانستان کے غاروں کی بجائے سعودی عرب میں باقی شہزادوں کی سی زندگی گزار سکتا تھا۔جہاں تک شہرت کے لئے ترسنے کی بات ہے تو یہ سراسر بہتان اس لئے ہے کہ ہمارے ایک صحافی کہتے ہیں کہ مجھے اٹھا لیا گیا' میری آنکھیں باندھ دی گئیں اور جب کھولیں تو اُسامہ آئے اور مجھے اپنی زندگی کی فائل دکھائی اور کہا کہ میری سوانح حیات لکھو۔جیسے کوئی ڈاکو زبردستی سے یہ کام کروانا چاہ رہا ہو۔اور یہی صحافی بعد میں نیوکلیئر ہتھیاروں کی خبر لے کر آتے ہیں جس کے بے بنیاد ہونے کے امکانات ننانوے فیصد

دارو مدار دیکھنے والوں کی آنکھ پر ہوتا ہے۔ کسی کا نظر بند ہونا یا قید ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ اس کا موقف ہی غلط تھا۔ کیا امام ابو حنیفہؒ سمیت کئی دوسرے لوگ بادشاہِ وقت کے ہاتھوں جیلوں میں حق کی خاطر قربان نہیں ہوئے! دینی جماعتوں کے رہنماؤں کی نیت اگر سراسر غلط بھی تھی تو ان کا جیل جانا ہماری اصولوں پر سودے بازی کو صحیح ثابت نہیں کرسکتا۔ مثلاً ہم نے بش سے ثبوت مانگنے کی کوشش نہیں کی اور جو اوٹ پٹانگ اس نے کہا اسے معتبر قرار دے کر موجودہ حکومت کے لئے راہ ہموار کی' تو آج ہم کس منہ سے انڈیا سے ثبوت مانگ سکتے ہیں۔ جب ہم پر جنگ مسلط ہو جائے گی شاید تب ہمیں احساس ہو کہ طالبان اور اُسامہ پر جنگ کیسے مسلط ہوئی تھی اور ہم نے کیسے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر صرف اپنی جان بچانے کی خاطر امریکہ کی درندگی کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اپنے ہاتھ بھی بے گناہوں کے خون سے رنگ ڈالے۔

''سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا'' کے مصداق بعض صحافی حضرات لکھتے ہیں کہ ہمارے دینی رہنماؤں نے ملاّ عمر کے اس وصف کو اپنایا ہے جو ان کی شکست کا باعث بنا۔ اسی طرح انھوں نے اُسامہ کے وصف کا ذکر کیا۔ پہلی بات تو یہ کہ ان کا کوئی ذاتی وصف ان کی تباہی کا باعث نہیں بنا' سوائے ان کی اس commitment کے کہ ایک مسلم حکومت اور اسلامی نظام کے حقیقی ڈھانچے کی بنیاد ڈالی جائے۔ پھر بھی اگر یہ کسی خاص وصف کا نتیجہ ہے تو ظاہراً وہ وصف امریکہ کو ناگوار ہوگا اور اب ہم اس بات کی تلقین کررہے ہیں کہ اس وصف کو نہ اپنائیں۔ اس طرح ہم بلاواسطہ امریکی مقاصد پورے کرنے کیلئے کام کررہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مغربی لوگوں تک پہنچ کر انہیں یہ بتانے کی کوشش کریں کہ اسلام کے اپنے جامع اور واضح معاشی' معاشرتی' قانونی اور دیگر سسٹم ہیں جنہیں اگر کوئی اسلامی ملک مکمل طور سے نافذ کر کے ایک اسلامی امارت کے قیام کا اعلان کرے تو وہ ریاست ہرگز مغربی مفاد کے خلاف نہیں ہوگی۔ جیسا کہ تقریباً تمام مغربی مبصرین کہہ رہے ہیں اور وہ اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ نیویارک ٹائمز کے

سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ وہ موقع تھا جب امریکہ کیمیاوی یا دوسرے ہتھیار استعمال کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔ جہاں تک سوانح عمری کی بات ہے تو ان کے ہم زبان ڈاکٹر ایمن ۲۴ گھنٹے ان کے ساتھ تھے اور نہایت اچھے لکھنے والے تھے۔ اُسامہ نے ان سے یہ کام کیوں نہ لیا؟ یا پھر امریکہ میں Yousaf Bondasky تو پہلے ہی یہ کام کر رہے تھے۔ اگر امریکی اور پاکستانی لیڈروں کے ایک ایک پل کی خبر آسکتی ہے تو اُسامہ کا کئی دن بعد ایک ویڈیو ریلیز کر کے بیان دینا کہاں کی شہرت پسندی ہوئی۔ ایک طرف ہم کہتے ہیں کہ میڈیا کو استعمال نہیں کیا۔ دوسری طرف جب ایک انٹرویو یا ویڈیو ٹیپ کی بات آتی ہے تو ہم کہتے ہیں شہرت پسند تھا۔ شہرت اسے امریکہ نے خود دی۔ جہاد تو اسامہ نے دس سال روس کے خلاف بھی کیا تھا' تب وہ مشہور کیوں نہ ہوا! اس جہاد میں تو وہی مشہور ہوئے جنہیں امریکہ نے مشہور کرنا چاہا' مثلاً حکمت یار وغیرہ۔ جب کینسر بہت کم ہو تو ڈاکٹر اس کا علاج ملتوی کر کے اسے پلنے دیتے ہیں تا کہ آپریشن میں آسانی ہو۔ امریکہ نے اُسامہ کو وہ شہرت دلوائی جس کی وجہ سے اس نے ہزاروں افغانیوں کو قتل کرنا اور حکومت تک ختم کرنا اپنے لئے جائز کروالیا۔

یہ بھی سراسر غلط ہے کہ امریکہ نے دوسرے ممالک کی منتیں کیں۔ یہ تو دنیا کی تاریخ میں پہلی بار ہوا کہ کسی طاقت نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ جو ہمارے ساتھ نہیں وہ دہشت گردوں کے ساتھ ہے اور ہمارا دشمن ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ تو کھلی بدمعاشی ہے۔ نہ جانے اس میں آنسو بہانے والی بات کہاں سے آئی! باقی مشرف کو آدھی رات کے وقت فون کر کے مدد نہیں مانگی گئی تھی۔ مشرف' روس' انڈیا اور حتیٰ کہ ایران کے ساتھ تو یہ جنگ کافی عرصہ پہلے طے کر لی گئی تھی مگر تلاش صرف ایک اچھے موقع کی تھی۔

جہاں تک ہار اور جیت کا سوال ہے تو نہ ان کی جیت نئی ہے اور نہ اپنی ہار نئی۔ بات حق کی ہے۔ کیا کربلا میں اے بے یارو مددگار جانوں کو مصلحت کی کوئی نئی راہ بھی دکھائی نہ دی؟ کیا انہوں نے بھی اپنی قوت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا یا کچھ ایسے اصول ہیں جن پر سودے بازی موت سے بدتر ہوتی ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب کا

دارومدار دیکھنے والوں کی آنکھ پر ہوتا ہے۔ کسی کا نظر بند ہونا یا قید ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ اس کا موقف ہی غلط تھا۔ کیا امام ابوحنیفہؒ سمیت کئی دوسرے لوگ بادشاہِ وقت کے ہاتھوں جیلوں میں حق کی خاطر قربان نہیں ہوئے! دینی جماعتوں کے رہنماؤں کی نیت اگر سراسر غلط بھی تھی تو ان کا جیل جانا ہماری اصولوں پر سودے بازی کو صحیح ثابت نہیں کرسکتا۔ مثلاً ہم نے بش سے ثبوت مانگنے کی کوشش نہیں کی اور جو اوٹ پٹانگ اس نے کہا اسے معتبر قرار دے کر موجودہ حکومت کے لئے راہ ہموار کی' تو آج ہم کس منہ سے انڈیا سے ثبوت مانگ سکتے ہیں۔ جب ہم پر جنگ مسلط ہو جائے گی شاید تب ہمیں احساس ہو کہ طالبان اور اُسامہ پر جنگ کیسے مسلط ہوئی تھی اور ہم نے کیسے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر صرف اپنی جان بچانے کی خاطر امریکہ کی درندگی کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اپنے ہاتھ بھی بے گناہوں کے خون سے رنگ ڈالے۔

''سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا'' کے مصداق بعض صحافی حضرات لکھتے ہیں کہ ہمارے دینی رہنماؤں نے ملاّ عمر کے اس وصف کو اپنایا ہے جو ان کی شکست کا باعث بنا۔ اسی طرح انھوں نے اُسامہ کے وصف کا ذکر کیا۔ پہلی بات تو یہ کہ ان کا کوئی ذاتی وصف ان کی تباہی کا باعث نہیں بنا' سوائے ان کی اس commitment کے کہ ایک مسلم حکومت اور اسلامی نظام کے حقیقی ڈھانچے کی بنیاد ڈالی جائے۔ پھر بھی اگر یہ کسی خاص وصف کا نتیجہ ہے تو ظاہراً وہ وصف امریکہ کو ناگوار ہوگا اور اب ہم اس بات کی تلقین کر رہے ہیں کہ اس وصف کو نہ اپنائیں۔ اس طرح ہم بلاواسطہ امریکی مقاصد پورے کرنے کیلئے کام کر رہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مغربی لوگوں تک پہنچ کر انہیں یہ بتانے کی کوشش کریں کہ اسلام کے اپنے جامع اور واضح معاشی' معاشرتی' قانونی اور دیگر سسٹم ہیں جنہیں اگر کوئی اسلامی ملک مکمل طور سے نافذ کر کے ایک اسلامی امارت کے قیام کا اعلان کرے تو وہ ریاست ہرگز مغربی مفاد کے خلاف نہیں ہوگی۔ جیسا کہ تقریباً تمام مغربی مبصرین کہہ رہے ہیں اور وہ اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ نیو یارک ٹائمز کے

تھامس فریڈ مین کہتے ہیں کہ ہم اسلام کے ساتھ نہیں' اسلام کے اندر جنگ چاہتے ہیں کہ ایک مسلمان کے ہاتھ دوسرے کے گلے میں پڑ جائیں۔ یہ اسلام کے خلاف جنگ کا صرف ایک طریقۂ کار ہے۔ اس وقت اگر ہم اپنی اپنی اسلامی تنظیم یا جماعت کے نام پر سکہ چمکانے کی کوشش کریں گے یا حق بات کہنے کے وصف کو نقصان دہ سمجھیں گے تو سراسر نقصان میں ہوں گے۔ افغانستان کے معاملے میں جن اصولوں پر ہم نے سودے بازی کی' اس کی سزا ہمیں انڈیا کے راستے امریکہ ہی کے اشارے پر ملنے میں زیادہ دیر نہیں۔ جن کو ہم بلند بانگ دعوے کہتے ہیں' وہ دعوے کم اور امریکی اور اسرائیلی جرائم پر تنقید زیادہ تھی۔ اگر تمام کے تمام مسلمان یک آواز ہو کر یہی باتیں نہ دہرا سکے' اگر ہم امریکہ اور اس کے حلیفوں کو ملکی سطح پر سامنے بٹھا کر وہ کچھ نہ کہہ سکے جو اُسامہ ان سے با آوازِ بلند کہتے آرہے تھے تو نہ صرف ہم بلکہ ہمارے ساتھ غیر مسلم بھی سب کے سب آخری تباہی کے مراحل میں داخل ہو جائیں گے۔ اگر تمام مسلم ممالک مل کر یہ قدم نہیں اٹھا سکتے تو کم از کم کچھ ممالک ہی یہ قدم اٹھائیں تاکہ ایک سلسلہ شروع ہو جائے اور دنیا مکمل تباہی کے دہانے سے پیچھے ہٹ جائے۔


- نظام خلافت کیا ہے؟
- یہ کن بنیادوں پر قائم ہو گا؟
- عہد حاضر میں نظام خلافت کا دستوری' قانونی' معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ کیا ہو گا؟
- اس کے قیام کے لئے سیرت نبویؐ سے ماخوذ طریق کار کون سا ہے؟

ان تمام سوالات کے جامع' واضح اور مدلل جوابات پر مشتمل ایک بیش قیمت علمی دستاویز

**"خطباتِ خلافت"**

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

**ڈاکٹر اسرار احمد کے چار خطبات کا مجموعہ**

سفید کاغذ' عمدہ طباعت' صفحات 212' قیمت : (اشاعت خاص)80 ' اشاعت عام : 45 روپے

# تہذیبوں کی جنگ
# فیصلہ کن مرحلے میں (۲)

مولانا غلام اللہ خان حقانی

یہود اپنے آپ کو انبیاء کی اولاد اور اللہ کی محبوب ترین قوم سمجھتے ہیں' جبکہ دنیا کے دوسرے انسانوں کے متعلق ان کا نظریہ ہے کہ یہود کے علاوہ دوسرے لوگ انسان نما حیوان ہیں اور انہیں اللہ نے ہماری خدمت برآری کے لئے پیدا کیا ہے' لہٰذا دوسرے انسانوں کو دبانا' ان پر ظلم کرنا' ان سے جھوٹ بولنا' ان کے مال ہڑپ کرنا اور اگر ضرورت ہو تو ان کو ہلاک کرنا ہمارے لئے جائز ہے۔ یہود کے اسی نظریئے کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے: ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّنَ سَبِيْلٌ﴾ کہ اُمیوں کے لئے ہم پر کوئی راہ نہیں۔ یہود کے اس نسلی برتری کے رجحان کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ تبلیغ یا دعوت وارشاد کے ذریعے وہ لوگوں کو اس مذہب میں نہیں شامل کرتے۔ ان کے نزدیک یہودیت نسل کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا جو کوئی یہودی پیدا ہو جائے وہی یہودی ہو گا' کسی اور طریقے سے کوئی یہودی نہیں بن سکتا' اس لئے کہ یہود کے نزدیک دوسرے انسان Goyems اور Gentiles ہیں اور ان کا استیصال کرنا اور ان کا خون نچوڑنا وہ اپنا حق گردانتے ہیں۔

یہ ساری باتیں فرضی اور ہوائی نہیں' بلکہ ۱۸۹۷ء سے جب یہود نے اپنی تحریک کو Zionism کے نام سے منظم کیا اس کی قراردادِ تاسیس میں یہ سب باتیں موجود ہیں۔ لہٰذا ان کی اس سازش میں Potent Factor اور قوی محرک یہی فکر ہے کہ دنیا بھر کے انسان ہماری خدمت کے لئے کام کریں اور ان کی بقاء کے لئے جو کم سے کم

ضروریات ہیں وہ ہم پوری کرتے رہیں گے۔اسی کا نام New World Order ہے جوکہ اصل میں Jew World Order ہے' جواب پوری دنیا کو زیرنگیں کرنے کے لئے بیتاب ہے۔''نیو ورلڈ آرڈر'' یہودیوں کی سازش تھی جس کا نعرہ انہوں نے ۱۷۷۳ء میں لگایا تھا: NOVUS ORDO SECULORUM یعنی A new secular order for the world.

یہ تو اس قوم کا فکری اور نظریاتی تانا بانا ہے جس کی بنیاد پر وہ پوری دنیا کے اندر سرگرم عمل ہے اور اس جذبے کی تسکین کے لئے کام کررہی ہے۔تاریخی اعتبار سے ان کی یہ جدوجہد پندرہ سو سال سے شروع ہے۔اس سے پہلے یہ قوم روئے ارضی پر اللہ کی نمائندہ قوم تھی۔دو ہزار سال تک مسلسل ان کے درمیان انبیاء کا سلسلہ بغیر انقطاع کے جاری رہا۔الہامی کتابیں ان کو ملیں۔لیکن اس قوم نے اپنی تاریخ میں اکثر و بیشتر اللہ سے بغاوت کی روش اپنائی' انبیاء کی تعلیمات کو جھٹلایا' بلکہ انبیاء کو قتل بھی کیا۔لہٰذا اللہ نے ان کو اس عظیم منصب سے جو کہ اللہ کی نمائندگی کا منصب تھا' معزول کیا اور یہ منصب حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کی اُمت کو عطا کیا گیا۔اس پر ان کے سینوں میں حسد اور تکبر کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے اس خدائی مشن کو پھلنے پھولنے اور اس کی طرف انسانوں کے آنے کے راستوں کو مسدود کرنے کا تہیہ کرلیا۔چنانچہ حضور ﷺ ہی کے زمانے میں انہوں نے طرح طرح کی سازشیں کی۔آپؐ کی وفات کے بعد ان کی اسلام دشمنی اور اللہ سے بغاوت کی روش میں شدت آئی۔چنانچہ حضرت عمرؓ کی شہادت ہو یا حضرت علیؓ کی' حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تحریک اور اس کے ضمن میں خلیفہ ثالث کی شہادت ہو' بنواُمیہ کے ادوارِ خلافت میں فتنوں کا سر اٹھانا ہو یا خلافت عباسیہ میں غیر اسلامی طرزِ معاشرت کا رواج ہو' سب یہود کی کارستانیاں ہیں۔ان سازشوں کا وہ حصّہ اس سے بھی زیادہ گھناؤنا ہے جو انہوں نے عیسائیت کے خلاف کیا۔عیسائیوں کو بھی جب موقع ملا تو ان کی خوب خبر لی۔مگر یہ قوم اپنے سازشی ذہن کے

ہاتھوں اس قدر مجبور ہے کہ جب بھی ان کو سنبھلنے کا موقع ملا تو دوبارہ دوسری قوموں کے خلاف سرگرم ہوئے۔ ان سرگرمیوں کا مقصد جیسے کہ اوپر لکھا گیا' ایک نیا نظامِ زندگی یعنی ''نیو ورلڈ آرڈر'' ہے۔ لیکن یہ کام انہوں نے مرحلہ وار کیا۔ پہلے مرحلے میں انہوں نے اقوامِ متحدہ بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ مرحلہ پچاس سالوں پر محیط ہے۔ اسی کام کے لئے انہوں نے ۱۸۹۷ء میں باسل کے مقام پر صہیونی تنظیم کا قیام عمل میں لایا جس میں مستقبل کے لئے درج ذیل منصوبوں پر کام کرنے اور اس کا جائزہ لینے کا عندیہ دیا گیا:

۱) سائیکس پیکاٹ کا خفیہ معاہدہ (۱۹۰۴ء)
۲) اعلانِ بالفور (۱۹۱۶ء)
۳) وارسا معاہدہ (۱۹۲۱ء)
۴) لیگ آف نیشنز
۵) کیلاگ برائنڈ پیکٹ (۱۹۲۸ء)

چنانچہ اسی منصوبے کے مطابق کام کر کے یہود نے اقوام متحدہ کی تشکیل کی' جس کا ظاہری مقصد انہوں نے یہ بیان کیا کہ یہ ادارہ اقوامِ عالَم کو امن وسلامتی اور عدل و انصاف کے عین مطابق حقوق دینے کا ذمہ دار ہوگا' مگر باطن میں اس ادارے کے قیام کا سب سے بڑا مقصد ''دجالی نظام'' جسے نیو ورلڈ آرڈر کا to the point ترجمہ قرار دیا جاسکتا ہے' کی راہ ہموار کرنا تھا۔ چنانچہ اپنے قیام سے لے کر آج تک اقوام متحدہ نے وہ سب کچھ کیا ہے جو اس دجالی نظام کے قیام' اس کی توسیع اور استحکام کے لئے ضروری تھا۔ یہاں تک کہ ایک مصنوعی قوم کو آباد کیا گیا اور ایک مصنوعی ملک وجود میں لایا گیا۔ ایک بہت بڑی سازش کے تحت خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کیا گیا اور پوری دنیا پر اس دجالی نظام کا غلبہ اور تسلط قائم ہوا۔ آج پوری ملت اسلامیہ طوعاً و کرہاً اس دجالی نظامِ حکومت کی مجبور رعایا بنی ہوئی ہے۔ یہ مرحلہ ۱۹۴۵ء تا ۱۹۹۵ء کے

۵۰ سالوں پر محیط تھا۔ لہٰذا ۱۹۹۵ء ہی میں دوسرے مرحلے کے لئے منصوبہ بندی پر مشتمل رپورٹ شائع کی گئی:

"Our Global Neighbourhood: The report on the Commission on Global Governance".

گویا کہ ۱۹۴۵ء میں قائم شدہ دجالی حکومت اپنے دوسرے مستحکم دور میں داخل ہوئی۔ اگرچہ ان دونوں تاریخی دستاویزات میں یہود کو کامل تحفظ اور مستقبل میں ایک غالب قوّت بنانے کے لئے بھرپور منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ تاہم عملی میدان میں یہود دو رکاوٹوں کو عبور کرنے میں بُری طرح ناکام رہے۔

۱) شدید مظالم کے باوجود یہود کے مقابلہ میں عالم اسلام کا اپنی شکست کو تسلیم نہ کرنا' یہود کے ساتھ فکری' علمی' ذہنی' جذباتی اور ثقافتی ہم آہنگی سے انکار کرنا اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کا عزم مصمم کرنا۔

۲) جرمنی اور جاپان پر ہر قسم کے حربوں کے استعمال کے باوجود ان دونوں کا یہود کے تخلیق کردہ برطانیہ اور امریکہ' سلامتی کونسل' آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کا حصہ بننے سے انکار اور اپنے ماضی کو نہ بھولنے پر اصرار۔ ان دوشقوں کو اگر سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے تو بات یوں ہوگی:

یہود کو قوی امید تھی کہ وہ سلامتی کونسل کے ذریعے:

۱) عالم اسلام کو نیست و نابود کر کے ان کو اپنا حاشیہ بردار بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کو یہ بھی امید واثق تھی کہ کوئی بھی مسلمان ملک جوہری قوّت نہیں بنے گا۔ اگرچہ مسلمان ممالک کے حکمرانوں کا معاملہ یہود کے مقابلے میں کچھ اور قسم کا رہا ہے' لیکن پوری اُمت مسلمہ میں مغرب سے نفرت کے جذبات' دینی رجحان اور جہادی عزم ان کی مذکورہ بالا امید موہوم کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بنے رہے۔ نیز ان کی تدبیروں' سازشوں اور دھمکیوں کے باوجود ایک مسلمان ملک جوہری طاقت بھی بن گیا۔ ان وجوہ کی بناء پر یہود حواس باختہ ہو کر مختلف ہتھکنڈوں

کے ذریعے اُمت مسلمہ پر حملہ آور ہوئے۔ دنیا کے تقریباً تمام برّاعظموں میں انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ خواتین کی عصمت دری اور بچوں کے قتل، حتیٰ کہ ان کی نسل کشی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ مگر یہود کی ان سازشوں اور تدبیروں کے باوجود اُمت مسلمہ کا عزم روز بروز پختہ تر ہوتا گیا۔

۲) دوسری جنگ عظیم میں جاپان نے شکست کھانے کے بعد امریکہ سے بامر مجبوری جو معاہدات کئے تھے ان کے خلاف جاپانیوں کے اندر جو غم وغصہ تھا ۱۹۸۰ء سے اس پر جاپانی قوم نے صدائے احتجاج بلند کی کہ امریکہ نے ہم سے مجبوری کی حالت میں جن معاہدات پر دستخط لئے تھے ہم اس خود ساختہ امریکی دستور کو یکسر مسترد کرتے ہیں۔ اس پس منظر میں جاپان اور امریکہ کے تعلقات Point of no return کو پہنچ گئے ہیں۔ گویا کہ جاپان دوسری جنگ عظیم کے بعد تشکیل پانے والی دنیا جو کہ امریکہ، برطانیہ، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے خود ساختہ اداروں کی سازشوں کا نتیجہ ہے، ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں۔

ان سارے اسباب نے یہود کو ایک ایسے خطرے میں مبتلا کیا کہ وہ ایک بڑا خطرناک فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ یہ وہ فیصلہ تھا جس کے پہلے مرحلے کے لئے صدر امریکہ کلنٹن نے جنوبی ایشیا کے دورے کو ضروری سمجھا۔ جنوبی ایشیا کے اس دورے کے بظاہر دو اسباب نظر آ رہے ہیں:

۱) یہود کا یہ احساس کہ پوری دنیا میں اسلامی بیداری کا مرکز اس وقت جنوبی ایشیا ہے۔
۲) جنوبی ایشیا کے ایک ملک بھارت کی سب سے بڑی قوم، ہندو قوم کے با اثر افراد کا یہ ذہن بننا کہ وہ اور یہود اینگلوسیکسن انتظام کے فطری حلیف ہیں۔

اس پس منظر میں اس دورے کا انتہائی گہرا تعلق ہے اس صورت حال سے جو ۱۱ر ستمبر کے بعد رونما ہوئی۔ مارچ ۲۰۰۰ء میں کلنٹن نے بھارت کا دورہ کیا۔ اس نے بھارت کے ساتھ بہت سارے شعبوں میں معاہدات کئے، جن میں سب سے اہم

معاہدہ بعض شرائط کے ساتھ بھارت کو سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت دینے پر امریکی آمادگی تھی۔ اسی مقصد کے لئے اپریل ۲۰۰۰ء میں برطانوی وزیر خارجہ کک کا دورۂ ہندوستان تھا۔ کک نے ان شرائط کے ساتھ ہندوستان کو مستقل رکنیت دینے کی بھرپور حمایت کی۔ اپریل کے وسط میں صدرِ بھارت نے فرانس کا دورہ کیا جس کے فوراً بعد فرانس کے دو وفود بھارت آئے، جن کا مقصد بھارت کو سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت دینے کی حمایت کرنا تھا۔ اس مخصوص صورتِ حال پر سلامتی کونسل کے ایک اہم رکن سبرا منیم (Subrah Manyam) نے یوں اظہار خیال کیا ہے کہ امریکہ اور بھارت کے درمیان معاہدے میں بین الاقوامی دہشت گردی، انتہا پسندی اور منشیات کے لین دین کو کنٹرول کرنا اہم ترین شق ہے۔ اس معاہدے کو سبرا منیم pragmatism کا نام دیتا ہے جس کا مقصد امریکی مفادات کا حصول ہے۔

امریکہ اور برطانیہ نے اس انتخاب میں اپنی پالیسیوں کو جن اسباب کے تحت یکسر تبدیل کیا، ان کو یہاں اختصار کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے:

۱) یہود نے محسوس کیا کہ عالم اسلام کے ساتھ جاری کشمکش اب عالمی جنگ کی صورت اختیار کرنے والی ہے۔ اس صورت حال میں ہمیں ایک فطری حلیف کی اشد ضرورت ہے۔

۲) یہود کا یہ احساس کہ عالم اسلام کو نیست و نابود کرنے میں مزید تاخیر ہمارے عالمی منصوبے کو درہم برہم کر سکتی ہے لہٰذا اقدام کرنا اب ناگزیر ہو چکا ہے۔

۳) یہود نے محسوس کیا کہ مسجدِ اقصیٰ کو گرا کر ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور پورے جزیرۃ العرب پر قبضہ میں مزید تاخیر ہمارے لئے خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لئے کہ آپریشن کے لئے جتنا یہ وقت مناسب ہے بعد کے ادوار میں ایسا مناسب موقع ہاتھ آنے کے امکانات بہت کم ہوں گے۔ لیکن ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ عالم اسلام کے خلاف اقدام یا مسجد اقصیٰ کا گرانا تیسری عالمگیر جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔

۴) چنانچہ یہود اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ عالمی جنگ اگر چھڑ جائے تو جاپان اور جرمنی ان اسباب کی بناء پر' جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' ہمارے حلیف یعنی دوست یا اتحادی نہیں بنیں گے' بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے مدمقابل بنیں۔ اور اگر جاپان یا جرمنی سلامتی کونسل کا ممبر ہو تو اس صورت میں ہم ایک خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہوں گے۔ اور یہود کو یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح ہم نے دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمنوں اور جاپانیوں کی عزتِ نفس کو مجروح کیا تھا اس پس منظر میں بھی جاپان اور جرمنی قابل اعتماد دوست نہیں ہو سکتے۔

عالم اسلام سے جنگ کی صورت میں جو کہ اب انہوں نے چھیڑ دی ہے:

۱) اس عالمگیر جنگ میں کم از کم تیس تا پچاس کروڑ ہلاکتوں کا تخمینہ ہے۔ چونکہ یہود ایک بزدل قوم ہے اور وہ اپنی جانوں کو بہت قیمتی سمجھتی ہے لہٰذا ان کی ہلاکتوں کی شرح اگر مسلمانوں کے مقابلے میں ۱:۱۰۰ بھی ہو جائے تو وہ اس سودے کے لئے تیار نہیں۔ اب جرمنی اور جاپان اتنی انسانی ہلاکتوں کی صلاحیت نہیں رکھتے' جبکہ یہ صلاحیت ہندوستان میں ایک بڑی آبادی کے حوالے سے موجود ہے۔

۲) ایسی عالمگیر جنگ کے لئے انسانی وسائل کے ساتھ ساتھ خام مال کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اس کے لئے اس Globalised World میں ایک industrial base بھی بے حد اہم ہے اور ان دونوں اعتبارات سے جرمنی اور جاپان کے مقابلہ میں بھارت زیادہ مالا مال ہے۔

۳) پھر جرمنی اور جاپان یہود کے دشمن علاقوں کے باہر واقع ہیں جبکہ بھارت عالم اسلام کے عین وسط میں واقع ہے جو کہ ہر اعتبار سے mobility اور سٹرائک کے لئے موزوں ہے۔

۴) عالمی جنگ میں کم اور درمیانے درجے کے بیلسٹک میزائل کا رول بہت اہم ہوتا ہے۔ چونکہ ایک برّاعظم سے دوسرے برّاعظم تک مار کرنے والے میزائل' جبکہ ان

کا وار ہیڈ جو ہری ہو' ایک طرف مالی اعتبار سے مہنگا ترین اور دوسری طرف جنگی اعتبار سے موزوں بھی نہیں ہوتا' اس تناظر میں بھی بھارت بہت موزوں علاقہ ہے کہ ایک ہی برّ اعظم میں ہونے کے سبب یہاں سے میزائل نشانے پر لگے گا اور مالی اعتبار سے بھی فائدہ مند ہوگا۔ لہٰذا امریکہ اور برطانیہ کے اس فیصلے کے تناظر میں خلاصہ یہ سامنے آیا:

۱) جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کو تنہا اور تہی دست کرنا۔
۲) جنوبی ایشیا میں اسلامی سرگرمیوں' تشخصات اور ثقافت کا خاتمہ کرنا۔ یعنی ایک طرف اس خطے کو اسلامی جذبات اور اسلامی تہذیب سے پاک کرنا اور دوسری طرف مسلمانوں کو de-Islamise کرنا۔

اگرچہ بھارت کی سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت کا معاملہ ابھی تک صیغہ راز میں ہے لیکن یہ پوری تیاری اور جنگ مذکورہ بالا مقاصد کے لئے لڑی جا رہی ہے جس میں بھارت کسی بھی وقت کود سکتا ہے اور یہ پھر پیش خیمہ ہوگا غزوۃ الہند کا۔ یعنی وہ جنگ جو احادیث کی رو سے دجال کے ظہور سے ذرا پہلے برپا ہوگی اور جس میں بڑے پیمانے پر جان و مال کا ضیاع ہوگا۔ اور یہ جنگ اگر دوسرے علاقوں تک پھیل گئی تو یہ ان جنگوں کا سلسلہ ہوگا جس میں ایک کو آنحضور ﷺ نے ''الملحمة العظمٰی' یعنی (تاریخ انسانی کی) عظیم ترین جنگ سے تعبیر کیا تھا' جس میں لاتعداد انسان ہلاک ہوں گے۔ اس جنگ کو یہود و نصاریٰ کے لٹریچر میں آرمیگاڈان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس جنگ میں احادیث کی رُو سے آخری فتح تو مسلمانوں ہی کو حاصل ہوگی اور پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو جائے گا' عیسائیت ایک مذہب کی حیثیت سے ختم ہو جائے گی' تاہم شروع میں مسلمانوں پر بالعموم اور عرب دنیا پر بالخصوص شدید مصائب آئیں گے۔

ان حالات میں مسلمانانِ پاکستان کے کرنے کے کام یہ ہیں:
۱) انفرادی سطح پر اللہ کی جناب میں توبہ کر کے اپنی معاش کو سود اور حرام سے اور اپنی

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

# مسلمان کا طرزِ حیات (۲۰)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منھاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب الاداب**

چوتھا باب

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

ایک مسلمان دل کی گہرائیوں سے یہ احساس رکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پوری طرح ادب کرنا فرض ہے۔ اور اس کے اسباب یہ ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مبارک میں صریح الفاظ میں ہر مسلمان مرد اور عورت پر رسول اللہ ﷺ کا ادب و احترام بجالانا واجب قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ... ﴾ (الحجرات : ۱)

"اے مومنو! اللہ سے اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو..."

اور فرمایا :

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○ ﴾ (الحجرات : ۲)

"اے مومنو! نبی (ﷺ) کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو، اور آپ سے اس طرح اونچی آواز سے بات نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کر لیتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔"

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (الحجرات : ۳)

"یقیناً جو افراد رسول اللہ (ﷺ) کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے خالص کر لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔"

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ ﴾

(الحجرات : ۴٬۵)

"(اے نبیؐ) جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آوازیں دیتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے' اور اگر وہ صبر کریں حتیٰ کہ آپ ان کے پاس باہر آجائیں تو ان کے لیے بہتر ہو۔"

اللہ عزّوجلّ فرماتے ہیں:

﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ ﴾

(النّور : ۶۳)

"رسول کی پکار کو آپس میں ایک دوسرے کی پکار کی طرح نہ سمجھو۔"

اور یہ بھی فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ ﴾ (النّور : ۶۲)

"مؤمن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے' اور جب وہ کسی اجتماعی معاملہ کے لیے اس کے ساتھ ہوتے ہیں تو (مجلس سے) اس وقت تک نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں۔"

اور یہ بھی فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ ... ﴾ (النّور : ۶۲)

"جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں حقیقت میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہیں' تو جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں۔ ۔ ۔"

اللہ عظیم و برتر نے یہ بھی فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾ (المجادلة : ۱۲)

"اے مؤمنو! جب تم رسول (ﷺ) سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ ادا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ پھر اگر تمہیں میسر نہ ہو تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

(۴) اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور محبّت کو فرض قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۔ ۔ ۔ ﴾ (محمد : ۳۳)

"اے مؤمنو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔"

مزید فرمایا:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ﴾ (النور : ۶۳)

"جو لوگ اس (رسول ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں انہیں فتنہ نہ آلے یا دردناک عذاب نہ آپکڑے۔"

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ﴾ (الحشر : ۷)

"رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط ﴾ (آل عمران : ۳۱)

"فرما دیجئے! اگر تمہیں اللہ سے محبّت ہے تو میری اتباع کرو' اللہ تم سے محبّت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔"

جس ہستی کی اطاعت فرض ہو اور اس کی مخالفت حرام ہو اس کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو امام اور فیصلہ کرنے والا مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ ط ﴾

(النّساء : ۱۰۵)

"ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس فہم کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ آپ کو عطا کرے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ... ﴾

(المائدة : ۴۹)

"اور ان کے درمیان اُس چیز کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل کی ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے..."

نیز ارشاد ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ ﴾

(النّساء : ۶۵)

"آپ کے رب کی قسم! یہ مؤمن نہیں بن سکتے جب تک آپ کو ان اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں جو (جھگڑے) ان میں پیدا ہو جائیں' پھر وہ آپ کے فیصلہ سے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں' اور اسے پوری طرح تسلیم کرلیں۔"

اور فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰه وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ . . . ﴾ (الاحزاب : ۲۱)

"یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ (آئیڈیل) موجود ہے (یعنی) ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) کی اور قیامت (میں نیکیوں کی جزا پانے) کی امید رکھتا ہے . . ."

امام اور حاکم کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا شریعت کا حکم بھی ہے اور عقل سلیم کا تقاضا بھی' اور صحیح منطقی اصولوں کا فیصلہ بھی۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے خود نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ آنحضور ﷺ سے محبّت رکھنا فرض ہے۔ ارشادِ نبوی ہے :

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ)) (1)

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم میں سے کوئی مؤمن نہیں بن سکتا حتیٰ کہ مَیں اُسے اس کی اولاد سے' اس کے باپ سے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہو جاؤں"۔

اور جس سے محبّت رکھنا فرض ہے' اس کا ادب کرنا بھی فرض ہے۔

(۵) اللہ عزّوجل نے آنحضرت ﷺ کو جمالِ ظاہری اور حسن اخلاق سے سب سے زیادہ بہرہ ور فرمایا تھا اور حضور ﷺ کو بے شمار ذاتی کمالات سے نوازا تھا' چنانچہ آپؐ جمال و کمال کے لحاظ سے تمام خلائق سے برتر اور افضل تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کا احترام یقیناً لازم ہے۔

ہم نے بعض چیزیں بیان کی ہیں جن کا تقاضا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ادب و احترام بدرجہٗ اَتم ملحوظ رکھا جائے۔ اس کے علاوہ بہت سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے حضور ﷺ لائق احترام قرار پاتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ادب کس طرح کیا جائے؟ یہ جاننا بہت ضروری ہے۔

مندرجہ ذیل امور پر عمل پیرا ہو کر ہم احترامِ رسول اکرم ﷺ سے حسب توفیق عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

① آنحضرت ﷺ کی اطاعت کریں' دنیااور دین کے تمام معاملات میں حضور ﷺ کے نقشِ قدم کی پیروی کریں۔

② حضور ﷺ کی محبّت اور تعظیم پر کسی مخلوق کی محبّت و تعظیم کو ترجیح نہ دیں۔ کسے باشد' کوئی ہو۔

③ آنحضور ﷺ کے دوستوں سے محبّت اور آپ ﷺ کے دشمنوں سے نفرت رکھیں۔ جس کام کو حضور علیہ السلام پسند کرتے تھے ہم بھی پسند کریں اور جس کام سے حضور علیہ السلام ناراض ہوتے تھے' ہم بھی اس سے ناراض ہوں۔

④ آنحضرت ﷺ کا نام مبارک ادب واحترام سے لیا جائے' آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھا جائے' حضور علیہ السلام کی عظمت ہمیشہ پیش نظر رہے' اور حضور علیہ السلام کی خوبیوں اور فضائل کا صحیح مقام سمجھا جائے۔

⑤ آنحضرت ﷺ نے ہمیں جن جن باتوں کی خبر دی ہے ان سب کو صحیح تسلیم کیا جائے' خواہ ان کا تعلق دین کے معاملات سے ہو یا دنیا کے کاموں سے' یا ان امور سے جو غیب میں شامل ہیں' خواہ اس غیب کا تعلق دنیوی زندگی سے ہو یا آخرت سے۔

⑥ آنحضرت ﷺ کی سنّت کو زندہ کیا جائے' آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو غالب کیا جائے' آپ ﷺ کی دعوت دوسروں تک پہنچائی جائے اور آپ ﷺ کی وصیتوں پر عمل کیا جائے۔

⑦ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسجد نبویؐ کی زیارت کا شرف عطا فرمائے اور جسے قبر مبارک کی زیارت نصیب ہو' اسے چاہیئے کہ قبر مبارک کے قریب بھی اور مسجدِ نبویؐ میں بھی اپنی آواز پست رکھے اور بلند آواز سے بات چیت نہ کرے۔

⑧ جو نیک لوگ آنحضرت ﷺ سے محبّت رکھتے ہیں ان سے محبّت رکھی جائے' اور جو فاسق آنحضرت ﷺ سے محبّت نہیں رکھتے' ان سے نفرت اور عداوت کا سلوک کیا جائے۔

مذکورہ بالا اعمال جنابِ رسول اللہ ﷺ کی محبّت کے چند مظاہر ہیں۔ مسلمان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان آداب کا خیال رکھے اور انہیں اچھے طریقے سے مکمل طور پر عمل میں لائے۔ لیکن مؤمن کے کمال و سعادت کا دارومدار انہی پر ہے۔ (باقی صفحہ ۸۰ پر)

# حقوقِ اولاد

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عام طور پر حقوقِ والدین پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور بچوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے فرماں بردار رہیں اور ہر وقت ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھیں' کبھی گستاخی کا کلمہ ان کی زبان سے نہ نکلنے پائے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بچوں کو سکھانے اور تعلیم دینے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے ناسمجھی میں ان سے خلافِ ادب حرکات سرزد ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں' لیکن اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ پند ونصائح کرنے والے لوگ بڑی عمر کے ہوتے ہیں۔ اکثر صاحبِ اولاد بھی ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اولاد کو فرماں بردار دیکھنا چاہتے ہیں۔ وعظ ونصیحت کے ان کلمات میں ان کی اپنی غرض بھی شامل ہوتی ہے۔

تھوڑا سا غور کریں تو انسان آسانی سے یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ بچوں کو ان کے فرائض یاد دلانے واقعتاً بہت ضروری ہیں' مگر اس سے بھی اہم تر یہ ہے کہ بڑے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کماحقہٗ دلچسپی لیں اور بچوں کی تربیت اس نہج پر کریں کہ عمر کے ساتھ ساتھ بچے خود بخود اپنے فرائض سے آگاہ ہوتے جائیں اور اپنے والدین کی مثال سامنے رکھتے ہوئے فرائض کی ادائیگی میں چستی اور مستعدی کا مظاہرہ کریں۔ ویسے بھی حقوق وفرائض کا عمل دوطرفہ ہے۔ ایک فریق کا رویہ دوسرے فریق کو متاثر کرتا ہے۔ اگر والدین اپنے فرائض کی ادائیگی میں چوکس (vigilant) ہوں تو بڑی حد تک ان کی اولاد فرض شناس اور ذمہ دار ہوگی۔ اگر ایک باپ گھر میں سگریٹ نوشی کرتا ہے تو یہ بُری عادت ہے اور صحت کے لئے بھی نقصان دہ ہے' لیکن اس کا بھیانک پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت میں بھی کوتاہی کا ارتکاب کر رہا ہے' کیونکہ خود تمباکو نوشی کرنے والا اپنے بیٹے کو اس سے باز رہنے کی نصیحت کیسے کر سکتا ہے' اور

اگر کرے بھی تو اُس کا اثر کیا ہوگا؟ اب اگر بچہ بڑا ہو کر سگریٹ نوشی کا عادی ہو جائے تو اُس کا باپ بیٹے کی تربیت میں خامی سے کیسے بریٔ الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہی حال بے نماز' رشوت خور' جھوٹ بولنے والے' وعدہ خلافی کرنے والے' گالی گلوچ اور بدزبانی کرنے والے' روزے نہ رکھنے والے اور زکوٰۃ نہ دینے والے والدین کا ہے۔ اگرچہ یہ گناہ ذاتی نوعیت کے ہیں لیکن اولاد کے معاملے میں ان کی تاثیر متعدی ہو جاتی ہے۔

بچے اپنے والدین کو جس رویے اور جن مشاغل میں دیکھیں گے وہ ان سے کیسے متاثر نہ ہوں گے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین بچوں کو زبانی وعظ و نصیحت بھی کریں مگر اہم تر بات یہ ہے کہ وہ انہیں اپنی شخصیت کا نمونہ پیش کر کے ان پر واضح کریں کہ کیا چیز پسندیدہ ہے اور کیا چیز ناپسندیدہ' کون سے کام کرنے کے ہیں اور کون سے اجتناب کرنے کے قابل ہیں۔ اس طرح بڑی حد تک توقع کی جا سکتی ہے کہ بچے ہمہ گیر تربیت پائیں اور اچھے شہری اور اچھے مسلمان ثابت ہوں۔ چنانچہ اس تحریر کا مدعا یہ ہے کہ بڑے اپنے فرائض سے آگاہ ہوں اور والدین اپنے فرائض سے واقف ہو کر ان کی ادائیگی کے سلسلے میں چوکس ہوں۔ جبکہ اولاد کو فرائض کی ادائیگی کا احساس دلانا بھی ضروری ہے' مگر وہ اس کے بعد کی بات ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا' والدین کو حسنِ عمل اور حسنِ اخلاق کی عملی مثال پیش کرنا سب سے ضروری ہے اس کے لئے اپنے فرائض کو ہر وقت ذہن میں مستحضر کرنا لازم ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اولاد کی تربیت بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ اچھی' صالح اور نیک اولاد صدقہ جاریہ کے درجے میں آتی ہے اور اُس کے نیک اعمال کا ثواب والدین کو بھی ملتا رہتا ہے چاہے وہ وفات بھی پا جائیں۔ اسی طرح اگر ماں باپ نے اپنی اولاد کی تربیت میں کوتاہی کی ہوگی تو اولاد کی برائیوں کا گناہ بھی والدین کو لگاتار ملتا رہے گا اگرچہ وہ فوت بھی ہو جائیں۔ پس مسئلے کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے آیئے حقوقِ اولاد یعنی والدین کے فرائض کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ سے نیک اور سعادت مند اولاد مانگنی چاہئے۔ جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قرآن مجید میں منقول ہے: ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً﴾

(آل عمران :۳۸) ''اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما''۔

- پھر جب اللہ تعالیٰ اولاد مرحمت فرمائے تو اُس کی پیدائش پر اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔ اس عمل کی برکت اور تاثیر سے بچہ ام الصبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا۔ نیز اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی پاکیزہ آواز اُس کے کانوں کے ذریعہ دل و دماغ تک پہنچ کر ضرور اپنا اثر دکھائے گی۔ بہتر ہے کہ پیدائش کے بعد بچے کو اللہ کے کسی مقبول اور صالح بندے کے پاس لے جائیں جو اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کرے۔ جب حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو قبا کے مقام پر اُن کے ہاں عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی۔ وہ بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بچے کو آپؐ کی گود میں ڈال دیا۔ آپؐ نے چھوہارہ منگوایا' اس کو چبایا' پھر اپنا لعابِ دہن اس کے مُنہ میں ڈالا اور تالو پر ملا۔ اس کے بعد اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کی۔

بچے کی پیدائش اہل خاندان کے لئے خوشی اور مسرت کا موقع ہوتا ہے۔ ایامِ جاہلیت میں اس موقعے پر خوشی کے اظہار کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔ اسلام نے اس فطری خوشی کے اظہار کو برقرار رکھتے ہوئے جاہلیت کے انداز ختم کر دیئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

> كَانُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذَا عَقُّوا عَنِ الصَّبِيِّ خَضَبُوْا قُطْنَةً بِدَمِ الْعَقِيْقَةِ فَاِذَا حَلَقُوْا رَاْسَ الصَّبِيِّ وَضَعُوْهَا عَلٰى رَاْسِهٖ ' فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((اجْعَلُوْا مَكَانَ الدَّمِ خُلُوْقًا)) (رواه ابن حبان في صحيحه)
>
> ''زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ بچے کا عقیقہ کرتے تو روئی کے ایک پھوئے میں عقیقہ کے جانور کا خون بھر لیتے' پھر جب بچے کا سر منڈوا دیتے تو وہ خون بھرا پھویا اس کے سر پر رکھ دیتے۔ (یہ جاہلانہ رسم تھی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بچے کے سر پر خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو''۔

خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ عقیقہ کا رواج جاہلیت میں بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصلاح کر دی۔ لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی کرنے کو کہا۔ اگر وسعت نہ ہو تو لڑکے کی

طرف سے بھی ایک ہی قربانی کافی ہے۔ اس گوشت کے ساتھ عزیز و اقارب کی دعوت کی جائے اور کچھ گوشت مساکین وفقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔ عقیقہ ملتِ ابراہیمی کے شعائر میں سے ہے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں

: عَقَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ ((يَا فَاطِمَةُ احْلِقِي رَأْسَهُ وَ تَصَدَّقِي بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَ زَنَّاهُ فَكَانَ وَ زْنُهُ دِرْهَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ))

(رواه الترمذی)

''رسول اللہ ﷺ نے حسنؓ کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی اور آپؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: ''اس کا سر صاف کر دو اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو۔'' ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم تھے''۔

بچے کا اچھا نام رکھنا بھی ایک حق ہے۔ ایسا نام جو کسی اچھی شخصیت کے نام پر ہو یا اچھے معنی رکھتا ہو۔ نام بے تکا اور بے معنی نہ ہو کہ بڑا ہو کر بچہ اپنے نام کی وجہ سے شرمندگی محسوس کرے۔ مثلاً محمد بوٹا' پیراں دتہ' اروڑہ' گھسیٹا' علی بخش' عباد علی' شقنو وغیرہم۔ رسول اللہ ﷺ کے پسندیدہ نام عبدالرحمٰن اور عبداللہ ہیں۔ یعنی وہ نام جس میں اللہ کا بندہ ہونے کا مفہوم نکلتا ہو۔ انبیاءؑ اور صحابہؓ کرام کے ناموں پر نام رکھنا بھی پسندیدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَوَّلُ مَا يَنْحَلُ الرَّجُلُ وَلَدَهُ اسْمُهُ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهُ))

(رواہ ابوالشیخ' بحوالہ معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانی)

''آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے' اس لئے چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے۔''

اب بچے کی تربیت کا آغاز ہوتا ہے۔ جسمانی نشوونما کے لئے بچے کو اپنے وسائل کے اندر رہتے ہوئے اچھی غذا اور خوراک جو حلال اور جائز طریقے سے کمائی گئی ہو' مہیا کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ بچہ تو معصوم ہے' اس کو تو جو ملے گا کھا لے گا' مگر والدین خصوصاً والد کا یہ بڑا اہم فرض ہے کہ وہ روزی کمانے کے جائز ذرائع اختیار کرے۔ یہ تربیت اولاد کا ایک لازمی

تقاضا ہے۔ رزقِ حلال پر پرورش پانے والے بچے عموماً صاف ستھرے اخلاق و کردار کے مالک' والدین کے فرماں بردار' بزرگوں کا احترام کرنے والے اور راست رو ہوتے ہیں۔

جب بچہ بولنے کا آغاز کرے تو سب سے پہلے اسے کلمہ طیبہ سکھایا جائے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( اِفْتَحُوْا عَلٰی صِبْیَانِکُمْ اَوَّلَ کَلِمَۃٍ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَقِّنُوْھُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ )) ( شعب الایمان)

'' اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے لا الٰہ الا اللہ کہلواؤ اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔''

جس طرح پیدائش کے بعد پہلی آواز بچے کے کان میں جو ڈالی جاتی ہے وہ اذان کے الفاظ ہیں' اسی طرح جب اس کی گفتگو کا آغاز بھی کلمہ توحید سے ہوگا تو اس کا اس کے قلب و ذہن پر اثر ضرور ہوگا۔ آج کے مغرب زدہ دور میں مسلمان بچوں کو زیادہ سے زیادہ انگریزی الفاظ سکھانے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے بچے کے ذہن پر اس زبان کی برتری غالب ہو کر اسے مغربی اقدار سے قریب اور اسلامی اقدار سے دُور کرنے لگتی ہے۔

بچے کا سب سے پہلا مدرسہ اس کی ماں کی گود ہوتی ہے۔ اگر ماں پاکیزہ اخلاق و کردار کی مالک' سادگی پسند' مشرقی اقدار و روایات کی شائق اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والی ہوگی تو بچہ یہی باتیں خود بخود سیکھ جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر ماں فیشن کی دلدادہ' موسیقی کی شوقین' بے پردگی کی عادی اور اسلامی روایات سے نفور ہوگی تو بچہ بھی انہی اقدار کو پسند کرے گا اور اپنائے گا۔ لہٰذا بچے کی تربیت میں ماں کا کردار باپ سے بھی زیادہ تاثیر رکھتا ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

یعنی '' اے مسلمان عورت! تُو بتول (حضرت فاطمہؓ) کا کردار اپنا کر زمانے کی آنکھوں سے مستور زندگی گزار۔ پھر دیکھ تیری گود میں بھی حسینؓ پرورش پائے گا''۔

جو عورت حیا باختہ کردار و عمل کی مالک ہو اور ستر و حجاب کی پابندیوں کا مذاق اڑاتی ہوئی

سر کے بال کھولے کلبوں' پارکوں' گلیوں اور بازاروں میں گھومے گی اس کی گود میں اسلامی اقدار سے محبت رکھنے والی اولاد کیسے پل سکتی ہے۔ آج ہم اس بات کی خواہش تو ضرور کرتے ہیں کہ ہمارے بچے سعادت مند اور باکردار ہوں مگر اس سلسلہ میں عائد فرائض کی ادائیگی سے اعراض کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ یہ تو وہی بات ہے کہ نیم کا پودا لگا کر کوئی شخص آم کھانے کی تمنا کرے۔

حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق مسلمان اور کافر کے درمیان نماز کا فرق ہے۔ لہٰذا نماز کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے بچوں کو نماز کا عادی بنانا بھی والدین کا فرض ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَ هُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَ هُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ)) (سنن ابی داوٗد)

''تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر بھی الگ کر دو۔''

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اگر ماں باپ دونوں نماز کے پابند ہوں تو بچے خود ہی ان کو دیکھ کر نماز پڑھنے لگیں گے اور مار پیٹ کی نوبت کم ہی آئے گی۔ اس کے برعکس اگر خود ماں باپ نماز کی اہمیت سے غافل ہوں تو وہ اولاد کو نماز کی ترغیب کیسے دیں گے! اور بالفرض ایسے والدین اولاد کو نماز کی تاکید کریں بھی تو اس کا اثر اولاد پر کیسے ہو سکتا ہے! اس لئے یہ ضروری ہے کہ والدین اچھی باتوں میں خود اپنا عملی نمونہ پیش کریں۔

والدین کے فرائض میں ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ وہ بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ مساوی سلوک کریں۔ بیٹے کے ساتھ برتری کا سلوک اور بیٹی کو گھٹیا سمجھنا مناسب نہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں لڑکی کی پیدائش پر غمی اور افسردگی کا اظہار کیا جاتا ہے اور لڑکے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں غیر اسلامی اور غلط رسومات کے طومار کی وجہ سے لڑکی کی شادی کرنا بہت ہی مشکل بنا دیا گیا ہے۔ لمبے

چوڑے جہیز کا انتظام لڑکی کے والدین کو کرنا ہوتا ہے' جبکہ لڑکے والوں کی طرف سے آنے والی بارات کے افراد کی خاطر تواضع بھی انہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ اخراجات برداشت نہیں کر سکتا اسے بیٹی کی پیدائش پر یہ فکر دامن گیر ہو جاتی ہے کہ اس کی رخصتی کیسے ممکن ہو سکے گی۔ مگر یہ طوق و اغلال خود ساختہ بوجھ ہیں جو ہم لوگوں نے ہندو معاشرے سے اخذ کر رکھے ہیں۔ اگر آج ہم نکاح کا اسلامی طریق کار اپنا لیں' یعنی جہیز اور بارات کو ختم کر دیں تو بیٹی کی پیدائش پر رنجیدہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہ ہو۔ ہمیں یہ بات سمجھنا چاہئے کہ بیٹی کی پیدائش پر غم اور ناراضی کا اظہار تو کفار کا طریقہ ہے' جو بعض اوقات تو بیٹی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ دیکھئے قرآن مجید میں سورۃ النحل کی آیات ۵۸'۵۹ جن کا ترجمہ اس طرح ہے:

"جب ان میں سے کسی کو لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے تو وہ سیاہ رو ہو جاتا ہے اور جی میں گھٹتا رہتا ہے' لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بری خبر کی وجہ سے جو اُسے ملی۔ سوچتا ہے کیا اس نومولود بچی کو ذلت کے ساتھ باقی رکھے یا اس کو کہیں لے جا کر مٹی میں دبا دے۔"

کفارِ مکہ کے اس ظالمانہ انداز کے برعکس اسلام میں بیٹی کی پیدائش کو مبارک سمجھا جاتا ہے اور بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اُن کے حقوق کی ادائیگی پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْراً مِنَ النَّارِ)) (رواہ البخاری و مسلم)

"جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اُس نے اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔"

اسی طرح مسلم شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنَا وَ هُوَ هٰكَذَا وَ ضَمَّ اَصَابِعَهٗ))

''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو وہ شخص اور میں قیامت کے دن اس طرح ہوں گے۔(یہ کہتے ہوئے) آپؐ نے ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔''

رسول اللہ ﷺ کے ان فرمودات سے معلوم ہوا کہ بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی پرورش اور پھر نکاح والدین کی بخشش کا باعث بن جائے گا۔اس طرح بیٹی قابل نفرت اور حقیر نہیں بلکہ باعث برکت ورحمت اور اللہ کی نعمت ہے۔اسلامی معاشرے میں تو اس عورت کو مبارک سمجھا جاتا ہے جس کے ہاں پہلی پیدائش بیٹی کی ہو۔

موجودہ دور میں ایک برائی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ والدین زیادہ اولاد سے گھبراتے ہیں۔ اگر اس گھبراہٹ کا سبب یہ ہے کہ اولاد کا معاشی بوجھ کیسے برداشت ہوگا تو یہ ذہنیت سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے' کیونکہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿وَلاَ تَقْتُلُوْا اَوْلاَدَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلاَقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْراً ○﴾ (بنی اسرائیل : ۳۱)

''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ہم اُن کو رزق دیں گے اور تم کو بھی دے رہے ہیں۔بے شک ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔''

پس افلاس وناداری کے باعث کثرت اولاد سے نفرت تو کسی صورت جائز نہیں' کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر عدم اعتماد ہے'البتہ کوئی اور وجہ مثلاً عورت کی کمزور صحت یا موت کا خطرہ ہو تو اور بات ہے۔

والدین پر ایک ذمہ داری یہ بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ برابری کا سلوک کریں۔نہ بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دیں اور نہ ہی کسی ایک بیٹے کو یا بیٹی کو دوسری اولاد سے برتر جانیں۔اسی طرح داد ودہش میں بھی سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرنا چاہئے۔آپؐ کی زندگی میں جب کوئی ایسا واقعہ پیش آیا کہ کسی ماں نے یا باپ نے اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو کچھ ہبہ کرنا چاہا تو آپؐ نے اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایا:((فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلاَدِكُمْ)) ''خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا سلوک کرو''۔اس طرح کا سلوک ظلم وجور سمجھا گیا ہے۔البتہ اولاد میں سے اگر کوئی بیٹا یا بیٹی کسی واقعی عذر کی بنا

پر ترجیحی سلوک کے مستحق ہوں تو اُن کے ساتھ خصوصی معاملہ فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔ مثلاً ایک بیٹا جسمانی معذوری یا کسی اور وجہ سے روزی کے معاملے میں خود کفیل نہیں ہے تو اگر والدین اُس کی مالی امداد کرتے ہیں تو نہ یہ عدل وانصاف کے خلاف ہے نہ ہی ناجائز و مکروہ ہے' بلکہ یہ تو حسن سلوک کے درجہ میں اجر وثواب کا باعث ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی خاص وجہ کی بنیاد پر دوسرے بھائی بہن کسی ایک بہن یا بھائی کے ساتھ خصوصی سلوک پر رضامند ہوں تو بھی والدین کے لئے یہ جائز ہے اور گناہ کی بات نہیں۔

والدین کی ایک یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اولاد میں سے کسی کو جائداد سے محروم نہ کریں۔ یہ فطری بات ہے کہ ساری اولاد ایک جیسی نہیں ہوتی۔ کچھ کے معاملہ میں اُن کی فرماں برداری' خدمت اور خوش اطواری کے سبب والدین کا جھکاؤ زیادہ ہوتا ہے' جبکہ کچھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت برتتے ہوں' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بداطوار اور بدعمل بھی ہوں۔ ظاہر ہے ایسی اولاد سے اچھے والدین ناخوش ہوں گے اور اس ناراضی کے سبب اُن کا دل چاہے گا کہ انہیں کسی طرح کا فائدہ نہ پہنچایا جائے۔ مگر اسلامی تعلیمات کی رو سے کوئی باپ یا ماں اپنے بیٹے یا بیٹی کو بداطواری اور بدکرداری کی بنا پر جائداد سے محروم نہیں کر سکتے۔ آئے دن اخبارات میں مسلمان ماں باپ کی طرف سے اپنی مسلمان اولاد کو وراثت سے محرومی کے اعلان یعنی عاق نامے شائع ہوتے رہتے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں' بلکہ اولاد میں سے اچھے برے سب ہی افراد اپنے ماں باپ کی وراثت سے حصّہ پائیں گے۔ کسی ماں یا باپ کو اپنی اولاد کو وراثت سے محروم کرنے کا حق نہیں۔ البتہ اگر کوئی ناہنجار بیٹا یا بیٹی اپنے ماں یا باپ کو قتل کر دے تو وہ خود بخود اُن کی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔

والدین کا فرض ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی شادی کی عمر کو پہنچ جائیں تو اُن کے نکاح کا انتظام کریں۔ کیونکہ یہ انسان کی فطری ضرورت ہے اور فطری ضروریات کو پورا کرنے سے نہ اسلام روکتا ہے اور نہ بے جا پابندی لگاتا ہے۔ لہٰذا پسندیدہ یہ ہے کہ بالغ ہونے کے فوراً بعد شادی کر دی جائے۔ اس سلسلہ میں اگر والدین کی غفلت کے سبب اولاد غلط راستے پر چل

نکلے تو ذمہ داری والدین پر عائد ہوگی اور وہ مجرم ٹھہریں گے۔ شعب الایمان میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهُ وَ اَدَبَهُ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَ لَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْماً فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلٰى اَبِيْهِ))

''جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے تو اُسے چاہیے کہ اُس کا اچھا نام رکھے اور اُسے اچھی تربیت دے۔ پس جب وہ بالغ ہو جائے تو اُس کی شادی کرے۔ اگر شادی کی عمر کے پہنچ جانے کے باوجود اس کی شادی نہ کی گئی اور وہ گناہ میں مبتلا ہوگیا تو اُس کے گناہ کی ذمہ داری اس کے باپ پر ہوگی۔''

موجودہ دور میں دیر سے شادی کرنے کا رواج ہوگیا ہے جو اس قدر معروف ہوگیا ہے کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے یا بیٹی کا نکاح سولہ سترہ سال کی عمر میں کر دے تو اُس پر سخت نکتہ چینی کی جاتی ہے اور تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ بات ہماری اسلامی اقدار سے عدم واقفیت اور لاعلمی کو ظاہر کرتی ہے۔ یا یہ کہ ہم خود اپنی اقدار کی بجائے دوسری اقوام کی اُن روایات کے شیدائی ہوتے جا رہے ہیں جو گھناؤنے جرائم کا باعث بن کر گندگی پھیلا رہی ہیں۔ ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَكْرِمُوا اَوْلَادَكُمْ وَ اَحْسِنُوْا آدَابَهُمْ)) ''اپنی اولاد کا اکرام کرو اور ان کو حسن آداب سے آراستہ کرو''۔ یعنی اولاد کو عطیہ خداوندی اور انمول نعمت جان کر ان کی قدر کرنا چاہیے۔ اولاد کی تربیت کو اہم ذمہ داری سمجھ کر اس کی طرف بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ دنیاوی مصروفیتوں' فضول مشغلوں اور معاشی دوڑ دھوپ میں گم ہو کر تربیت اولاد کے سلسلہ میں غفلت انتہائی غیر ذمہ داری ہے۔ اس حدیث میں اسی بات کو مثبت انداز میں بیان فرما کر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

پس اگر والدین اپنے فرائض کی ادائیگی بطریق احسن کریں تو بڑی حد تک توقع کی جاسکتی ہے کہ اُن کی اولاد بھی اُن کے حقوق پورے کرے گی اور خاندانی نظام میں بہتری پیدا ہوگی جس کے نتیجہ میں صحت مند مسلم معاشرہ قائم ہو کر خیر و برکت کا باعث ہوگا۔

# حضورِ اکرم ﷺ کا تبسم

تحریر: محمد آصف احسان عبدالباقی

کتب تاریخ وسیر کا معتد بہ حصہ نبی اقدس ﷺ کے اَخلاقِ حسنہ کے ذکر خیر سے معمور ہے۔ آپ کا اندازِ گفتگو، لوگوں کے ساتھ برتاؤ، بچوں پر شفقت، روزمرہ زندگی کے معمولات، غرضیکہ ہر اسلوبِ زیست پر آپ ﷺ کا اس قدر تفصیلی نمونہ موجود ہے جس کی تابندگی نے حیاتِ انسانی کو اپنے تابش نور سے فروزاں کر رکھا ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے اوصاف جمیلہ اور خصائل حمیدہ میں اس قدر وسعت و گہرائی کے باوجود المیہ یہ ہوا کہ اہل اسلام میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس نے پرہیز گاری اور تقویٰ کے خود ساختہ معیار قائم کئے۔ آپ ﷺ مسکرا کر خندہ پیشانی سے ملاقات کرتے اور کبھی کبھی اپنے اصحاب سے ایسا مزاح بھی فرماتے جو اُمت کے لئے باعث تعلیم ہو۔ لیکن اس فرقے نے گمان کیا کہ چہرے پر ہر وقت کبیدگی اور اداسی طاری رکھنا ہی اصل نیکی ہے۔ چنانچہ جب ہم اس طبقے کے افراد سے ملتے ہیں تو یہ سلام کرنے پر آنسو بہاتے ہیں، حال دریافت کرنے پر ان کی پژمردگی اور پریشان حالی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور جب ان سے مسکرا کر مخاطب ہوا جائے تو یہ اس شبہے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شاید کلام کرنے والا اسلام سے خارج ہے۔ یہ لوگ اپنی عقل نارسا اور فکر کج اداء کو سنّتِ نبوی ﷺ پر ترجیح دیتے ہیں، جبکہ ہادیٔ عالم اور مہتدیٔ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تم اپنے بھائی کے ساتھ کشادہ پیشانی سے ملاقات کرو۔“ (یعنی یہ بھی نیکی ہے) (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب)

سطور ذیل میں فخر موجودات حضرت محمد ﷺ کے تبسم، مزاج کی تازگی اور طبیعت کی شگفتگی کا ذکر جانفزا اور تذکرۂ خوشنوا ہے جن کی لحاتی مسکراہٹ پوری کائنات کا

مول ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے زیادہ کسی اور کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ (جامع ترمذی)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں نبی کریم ﷺ نے کبھی مجھے منع نہیں کیا اور آپؐ جب بھی مجھے دیکھتے، مسکرا دیتے۔

(بخاری و مسلم)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ جس مصلیٰ پر فجر کی نماز ادا کرتے وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک سورج اچھی طرح نہ نکل آتا۔ جب سورج نکل آتا تو آپؐ اٹھ کھڑے ہوتے۔ اس دوران صحابہ زمانۂ جاہلیت کی باتیں کرتے رہتے اور ہنسا کرتے، ان کے ساتھ آپ ﷺ بھی مسکراتے رہتے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھی۔ اس وقت تک میں ہلکی پھلکی تھی اور فربہ بدن نہ ہوئی تھی۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو آگے بڑھ جانے کی ہدایت کی، پھر مجھے فرمایا: ''آؤ دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں''۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ دوڑی اور آگے نکل گئی۔ آپؐ خاموش رہے۔ کچھ عرصے کے بعد مجھے پھر آپؐ کے ساتھ سفر پر جانے کا موقع ملا۔ اس وقت میں فربہ بدن ہو چکی تھی۔ آپؐ نے اس موقع پر بھی اپنے اصحاب کو آگے بڑھ جانے کی ہدایت کی اور مجھے فرمایا: ''آؤ دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔'' میں آپؐ کے ساتھ دوڑی تو آپؐ مجھ سے آگے نکل گئے۔ آپ ﷺ ہنسنے لگے اور فرمایا: ''یہ اس (شکست) کا بدلہ ہے۔'' (مسند احمد)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن ایک شخص کو بارگاہِ الٰہی میں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: ''اس کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو۔'' اس وقت اس کے بڑے بڑے گناہ چھپا لئے جائیں گے۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تم نے

فلاں دن یہ گناہ اور فلاں دن یہ گناہ کیا تھا۔ وہ انکار نہیں کر سکے گا اور اقرار کرتا جائے گا۔ ساتھ ہی اسے یہ خوف بھی لاحق ہو گا کہ ابھی تو بڑے گناہوں کا حساب باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس شخص کو اِس کی ہر برائی کے بدلے ایک نیکی کا اجر دے دو۔ اللہ کے فضل و کرم کا یہ نظارہ دیکھ کر وہ بول پڑے گا کہ میرے اور بھی بہت سے گناہ ہیں جو میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں۔'' حضرت ابو ذر بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا' نبی ﷺ یہ بیان کرتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

(المواھب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ' ص ۱۶۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے معلوم ہے کہ سب سے آخر میں جہنم سے نکل کر جنت میں جانے والا شخص کون ہو گا۔ ایک شخص دوزخ سے گھسٹتا ہوا نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: ''جنت میں چلے جاؤ۔'' وہ جنت کی طرف جائے گا تو اسے ایسا لگے گا کہ جنت بھر چکی ہے۔ وہ واپس آ کر عرض کرے گا: ''اے میرے ربّ! جنت تو بھر گئی ہے۔'' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ جا کر تو دیکھو۔ وہ دوبارہ جائے گا' اس بار بھی اسے محسوس ہو گا کہ جنت میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں بچی۔ وہ واپس آ کر عرض کرے گا: ''اے میرے ربّ! جنت میں اب کوئی جگہ نہیں ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم جنت میں جاؤ' وہاں تمہارے لئے دنیا کے برابر اور اس کا دس گنا ہے۔'' وہ عرض کرے گا: ''اے اللہ! آپ بادشاہ ہو کر میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ فرماتے ہوئے نبی کریم ﷺ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

(صحیح بخاری' کتاب الرقاق' رقم الحدیث ۶۵۷۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم سے اختلاط و خوش طبعی فرمایا کرتے تھے' یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے (ازراہِ مذاق) فرماتے: ''ابو عمیر! نغیر (ایک پرندہ) کہاں گیا''؟ (حضرت انس کہتے ہیں) میرے اس بھائی کے پاس ایک نغیر تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا اور جو مر گیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سواری کا جانور مانگا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہاری سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اونٹ کو اونٹنی ہی تو جنتی ہے۔'' (ترمذی' ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت نے آپؐ سے درخواست کی کہ میرے جنت میں داخل ہونے کے لئے دعا فرمایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ اس پر وہ خاتون آزردہ ہو گئیں تو آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا کہ ہم جنت کی عورتوں کو پیدا کریں گے جیسا کہ پیدا کیا جاتا ہے' پس ہم ان کو کنواری بنا دیں گے''۔ (رزین' شرح السنۃ)

احادیث مذکورہ نبی اکرم ﷺ کی ظرافت اور خوش طبعی پر دلالت کرتی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ نیکی اور تقویٰ ہر وقت مہر بلب رہنے اور غم انگیز صورت بنائے رہنے میں نہیں بلکہ اصل پرہیزگاری مخلوق سے مل جل کر رہنے کے باوجود ہر وقت خوف خدا سے آشنا رہنے میں ہے۔

خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (۱۵۹۹ء۔۱۶۶۸ء) جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرزند ثالث تھے' اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں: ''شیخ ابوسعید ابوالخیر سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ انہوں نے کہا: ''ہاں' گھاس کا تنکا بھی پانی پر چلتا ہے (یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے)۔'' پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے۔ فرمایا: ''(ٹھیک ہے) چیل اور مکھی بھی ہوا میں اڑتے ہیں۔'' پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک لمحے میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے۔ فرمایا: ''(اس میں کیا رکھا ہے) شیطان تو ایک دم مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے۔ ان باتوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ مردِ حق دراصل وہ ہے جو مخلوق کے درمیان نشست و برخاست رکھتا ہو اور بیوی بچے رکھے لیکن اس کے باوجود بھی یادِ خدا سے غافل نہ رہے۔''

# تازہ بتازہ قلبی واردات

تحریر: نعیم اختر عدنان

اس کائناتِ عالَم کے نظامِ ہست و بود کی مالک ومختار ایک ہی ہستی ہے جس کا نام خدائے رحمان و رحیم ہے۔ اسی ذاتِ اقدس نے جمادات کو وجود بخشا' اسی ہستی نے نباتات کو نمو کی صلاحیت عطا فرمائی' اسی کبریائی طاقت نے حیوانات کو خلعتِ وجود سے آراستہ و پیراستہ کیا' اسی ذاتِ لاشریک نے فرشتوں' جنوں اور انسانوں کو جملہ مخلوقات پر فضیلت و بزرگی عطا کر کے انسان کو کائناتِ ارضی کے ظاہر و باطن کی خلافت کا حق دار قرار دے کر تمام مخلوقات کا سردار بنا دیا۔

انسان کی عظمت اور بزرگی کے سفر کا آغاز انسانوں کے مورثِ اعلیٰ اور جدِّ امجد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات سے شروع ہوا اور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی ہستی پر اپنے کمال و عروج کو پہنچ گیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت ہی ختم نہیں ہوئی بلکہ رسالت کی تکمیل بھی کر دی گئی اور ربّ العالمین نے وحی نبوت کو جامعیت کا جامہ پہنا کر تکمیلی شکل میں قرآن مجید کی صورت میں قیامت تک کے لئے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ضابطۂ حیات بنا کر دین کو بھی کامل کر دیا' اپنی نعمتِ ہدایت کی بھی تکمیل فرما دی اور اسلام کو بطور آخری دین کے اپنا پسندیدہ دین بنانے کا دوٹوک فیصلہ فرما دیا۔ قرآن مجید کو آسمانی کتابِ ہدایت کی حیثیت سے ماننے والے اہل ایمان کی تعداد بھی کروڑوں میں ہے اور اس کا بطور آسمانی کتاب کے انکار کرنے والوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے۔ تاہم قرآن مجید کی بطورِ ضابطۂ حیات اہمیت سے کوئی باشعور انسان انکار نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص اللہ کے دین کو جاننا چاہتا ہے تو اُسے لامحالہ قرآن مجید کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت واقعہ کو الفاظ کا روپ دے کر فرمایا ہے کہ:

گر تُو می خواہی مسلماں زیستن    نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

یوں تو قرآن مجید کی عظمت کے بے شمار پہلو ہیں جن کا احاطہ کرنا بھی آسان نہیں ہے' تاہم ایک خاص پہلو کے حوالے سے ان سطور کے ذریعے قرآن مجید کی عظمت کو ''تازہ بتازہ قلبی واردات'' کی حیثیت سے قلمبند کر رہا ہوں' اس امید اور دعا کے ساتھ کہ شاید میری اس تحریر کے ذریعے کوئی پڑھنے والا کتابِ ہدایت کی طرف متوجہ ہو کر خود کو قرآن مجید کے ساتھ اس طرح وابستہ و پیوستہ کرے کہ وہ ((خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) کے فرمان نبوی ﷺ کا ادنیٰ ترین ہی سہی مصداق و مخاطب بن جائے تو میری ان گزارشات کا مقصد و مدعا پورا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ!

میں نے ایک ایسے مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولی جسے آپ روایتی بلکہ نسلی مسلمان گھرانوں میں سے ایک گھرانہ قرار دے سکتے ہیں' مگر قادر مطلق نے اس بندۂ ناچیز کو اپنی بے پایاں رحمت خصوصی کے ''شجرۂ طیبہ'' کے اندر داخل فرمالیا وہ یوں کہ بچپن ہی سے مسجد و قرآن اور نماز و روزہ سے شناسا و مانوس کر دیا۔ یوں میں میٹرک سے پہلے ہی قرآن مجید کی آفاقی تعلیمات سے شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ قرآن اور بعد ازاں مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن کے ذریعے اپنے ذہنی ظرف اور علمی استعداد کے مطابق متعارف ہو چکا تھا۔

کالج کی دو سالہ تعلیم سے فراغت کے بعد ''ستم ہائے روزگار'' کا شکار ہو گیا۔ اس دوران قرآن کے عظیم سکالر اور داعی' سچے عاشقِ قرآن اور حقیقی اسلامی انقلاب کے علمبردار ڈاکٹر اسرار احمد' امیر تنظیم اسلامی سے ایک درسِ قرآن کی محفل کے ذریعے سے متعارف ہوا۔ چنانچہ اس رابطے کو اَب بیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ میں گزرے ہوئے ماہ و سال کے اس طویل عرصے اور عمر رفتہ کے لمبے فاصلے پر نگاہِ بازگشت دوڑاتا ہوں تو ایک ہی صدا میرے قلب و روح کے گوشوں سے بلند ہوتی سنائی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے اس مخلص داعی اور سچے عاشق کی غلبہ اسلام کی تڑپ کو اہل وطن کے سینوں میں ازسرنو بیدار کر دے تاکہ دنیا اور اہل دنیا کو پھر سے نبوت محمدی ﷺ کے نور سے

منور خلافتِ راشدہ کے دَورِ سعید کی برکات سے فیض یاب ہونے کا موقع مل سکے۔
قارئین کرام! میری تحریر کی تمہید قدرے ہی نہیں بلکہ خاصی طویل ہو چکی ہے' مگر اس میں میری مجبوری کو بھی دخل حاصل ہے کہ میں اپنے احساسات کے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی اہلیت اور فن سے کافی حد تک بیگانہ ہوں!

میں نے تنظیم اسلامی کی رفاقت اختیار کر لی اور یوں امیر تنظیم اسلامی کی تربیت و رہنمائی کے حامل ''سلسلہ قرآنیہ'' کے فیض کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ راقم نے اپنی ملازمت ترک کر کے قرآن اکیڈمی کے دو سالہ ''رجوع الی القرآن کورس'' میں داخلہ لے لیا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس مفید کورس کو مکمل کر لیا۔ چنانچہ ۱۹۸۷ء سے ۲۰۰۱ء تک ہر سال رمضان المبارک کے مقدس و محترم مہینے میں دورۂ ترجمہ قرآن کی شکل میں قرآن مجید کے ساتھ خصوصی ربط و ضبط کا گراں بہا موقع تمام تر دشواریوں کے باوجود باقاعدگی سے حاصل ہوتا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اسی خدائے واحد و قدوس کی عطا ہے جو جسے چاہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے۔

قارئین! جب بھی رمضان المبارک کا برکتوں سے معمور مہینہ سایہ فگن ہوتا ہے میں تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے ذریعے حاصل ہونے والے اس ''اعتصام قرانی'' کے مبارک سلسلے پر نظر دوڑاتا ہوں تو بے اختیار میرے دل کی گہرائیوں سے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی ذات کے لئے الفاظ کی قطعی غیر محتاج دعاؤں کا سلسلہ چل نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے اس عظیم داعی اور خادمِ قرآن و اسلام کی ذات اور ان کی برپا کردہ تحریک کو ''شجرۂ طیبہ'' کی سی شان عطا کر دے اور غلبۂ اسلام کے لئے کوشاں قرآنی تحریک' اس کے قرآنی فکر اور منہج انقلاب نبوی ﷺ پر مبنی طریقہ کار کو عالمِ اسلام کی جملہ اسلامی تحریکوں میں شرفِ قبولیت عطا فرما دے' تاکہ امارتِ اسلامی افغانستان کی واحد اسلامی حکومت کے منظر عام سے زبردستی ہٹائے جانے کے بعد کوئی ایک خطۂ زمین پھر سے اسلامی نظامِ خلافت و امارت کا گہوارہ اور مینارۂ نور بن جائے تاکہ اہل اسلام و ایمان کے گھروں اور دلوں میں پھر سے اسلامی نظام کی بہار جلوہ گر ہو

سکے اور نظامِ خلافت کے پروانے پھر سے ع ''ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا'' کی سی شان کے ساتھ طالبانِ حق و صداقت کی حیثیت سے از سرِ نو انسانوں کے اس عظیم سمندر کی سطح پر ظاہر ہو سکیں تاکہ لوگوں کو ماننا پڑے کہ

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے !

مگر یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب ہم سب اپنی متاعِ زیست کو ع ''مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی۔ میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی'' کے عظیم تر نصب العین کے حصول کے لئے وقف کر دیں گے۔

اپنی زندگیوں اور صلاحیتوں کو غلبہ اسلام کی جدوجہد میں ''وقف فی سبیل اللہ'' کرنے کے لئے قرآن کو رہبر و رہنما اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت کو اپنا دستور العمل بنانا پڑے گا۔ یہی وہ شاہراہ ہے جس پر گامزن ہو کر میں اور آپ دین کے ایسے جامع اور ہمہ گیر تصور سے آشنا ہو سکتے ہیں جو عقائد' عبادات' رسومات' عائلی زندگی' معاشرتی نظام' سیاسی نظام اور معاشی نظام کے جملہ گوشوں اور شعبوں میں قدم بقدم رہنمائی فراہم کرتا ہو اور ہر مشکل کا حل مہیا کرتا ہو۔ جب تک ایمان کے دعوے دار مسلمان ﴿ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ کے قرآنی اصول کو لائحہ عمل نہیں بنا لیتے اس وقت تک دنیا کی ذلتوں اور رسوائیوں سے بچنا بھی ناممکن ہے اور آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار ہونا بھی محال ہے' بالکل ایسے ہی جیسے سوئی کے سوراخ سے اونٹ کا گزرنا بعید از قیاس ہے۔ لہٰذا ہم سب کو یہ سبق از بر کرنا ہوگا کہ ع

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے !

اور ع

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!

تیز ترک گامزن منزلِ ما دُور نیست (ان شاء اللہ العزیز)

# بائبل کی ایک پیشین گوئی کا مطالعہ

تحریر : محمد اسلم رانا مرحوم ☆

اب جو کوئی مرے سامنے ہے پیر و جواں
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں ہے زباں!

موقر جریدے ''میثاق'' میں ڈاکٹر سفر الحوالی کا مضمون ''قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر'' بالاقساط شائع ہوا ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء کے شمارے میں شائع ہونے والی قسط میں ایک یہودنواز راسخ العقیدہ باا ثر امریکی عیسائی جیری فول ویل کا قول نقل ہوا ہے: ''تورات کی کتاب پیدائش میں اسرائیل کی حدود نیل سے فرات تک ہیں اور یہی ارضِ موعود ہے''۔ وہ ارضِ موعود میں عراق' شام' ترکی' سعودی عرب' مصر' سوڈان' پورا لبنان' اردن اور کویت کو شامل سمجھتا ہے' اس دلیل پر کہ یہ علاقے کنعانیوں کے ہیں'' اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا سارا ملک ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے۔'' مگر یہ دعویٰ لغو اور باطل ہے۔ بائبل میں لکھا ہے:

> ''اسی روز خداوند نے ابرام سے عہد کیا اور فرمایا کہ یہ ملک دریائے مصر سے لے کر اس بڑے دریا یعنی دریائے فرات تک قینیوں اور قدمونیوں اور حتیوں اور فرزیوں اور فائیم اور اموریوں اور کنعانیوں اور جرجاسیوں اور یبوسیوں سمیت میں نے تیری اولاد کو دیا۔'' (کتاب پیدائش ۱۵:۱۸-۲۱)

یہودیوں اور عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ ان فقرات میں کنعان (جسے بعد میں فلسطین اور فی زمانہ اسرائیل کا نام دیا گیا ہے) ابراہیم کے چھوٹے بیٹے اسحاق کی اولاد (یہودیوں) کو دینے کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔

## فلسطین کا رقبہ

اس پیشین گوئی میں دریاؤں سے مراد مصر کے دریائے نیل (کی وادیٔ العریش) اور (عراق کا) فرات ہیں۔ اسی مناسبت سے اسرائیلی پارلیمنٹ ہاؤس کے ماتھے پر لکھا ہے:

> ''اسرائیل! تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں۔''

انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے: ''فلسطین'' بحیرۂ روم کا ایک خطہ ہے۔ یہ جدید اسرائیل، اردن اور مصر کے حصوں پر مشتمل ہے۔ اس علاقے کو ارضِ مقدس بھی کہتے ہیں۔ یہودی' عیسائی اور

☆ایڈیٹر ماہنامہ ''المذاہب'' لاہور

مسلمان اسے مقدس مانتے ہیں۔ رقبہ میں ۱۵۰ میل لمبا اور ۸۰ میل چوڑا ہے ۔ (دی نیو اتیج انسائیکلو پیڈیا برٹینکا' مطبوعہ ۱۹۸۵ء جلد ۱۲۵' صفحہ ۴۰۲' کالم ۱)

پادری ڈملو کے مطابق یہ ملک دریائے اردن کے مغرب میں دان سے بیر سبع تک یعنی شمالاً جنوباً ۱۵۰ میل لمبا' ۶۰۰۰ مربع میل علاقہ پر مشتمل تھا۔ دریا کے مشرق میں موآب، جلعاد لبن کے علاقوں کا رقبہ ۴۰۰۰ مربع میل تھا''۔ (تفسیر ڈملو' صفحہ cxlv' کالم ۱)

پروفیسر ڈین لکھتے ہیں: ''فلسطین دان سے بیر سبع تک (بائبل کی کتاب قضاۃ ۲۰:۱) تقریباً ۱۵۰ میل لمبا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی ۷۵ میل تک ہے''۔ (خلاصہ تاریخ بائبل مصنفہ پروفیسر بی ایس ڈین ایم اے، ایڈیٹر بی ایل ٹرز مطبوعہ ۱۹۷۵ء' صفحہ ۲۰۹' کالم ۱)

ڈاکٹر کیٹو بتاتے ہیں'' یہ ملک حام کے بیٹے (یعنی نوح کے پوتے) کنعان کے حصّے آیا جسے اس نے اپنا نام دیا۔ کنعان بحیرہ روم کے مشرقی ساحل پر قریباً ۱۰۰ میل لمبا اور ۸۰ میل چوڑا ہے۔ کنعان کے شمال میں لبنان کے پہاڑ اور شام، مشرق میں صحرائے عرب، جنوب میں جزیرہ نما عرب اور ادوم کے بیابان، مغرب میں فلستیوں کا ملک اور بحیرۂ روم تھے۔ کنعان کے علاوہ اسے عبرانیوں کا ملک، فلسطین، وعدہ کا ملک' اسرائیل، یہوداہ، یہودیہ اور ارضِ مقدس کہتے ہیں

An Illustrated History of the Bible by John Kitto
(D.D, F.S.A, ' 1902, p. 93, col.1)

## پیشین گوئی کا حشر

پاکستان کے ایک عام ضلع جتنا ملک بار بار کئے جانے والے تمام تر خدائی وعدوں کے باوجود کبھی بھی کلی طور پر یہودیوں کے قبضہ میں نہ آیا۔

پادری یوحنا خان لکھتے ہیں: ''یردن کے مغربی ملک کی لمبائی شمال میں دان سے جنوب میں بیر سبع تک ۱۴۴ میل اور چوڑائی بیر سبع کے قریب ۹۰ میل ہے' لیکن جوں جوں شمال کو جائیں چوڑائی کم ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ یروشلم کے نزدیک ۵۰ میل، جھیل گنیسرت کے ۴۰ میل اور انتہائے شمال میں صرف ۲۵ میل رہ جاتی ہے۔ اس غربی حصّہ کا کل رقبہ ۶۰۰۰ مربع میل ہے۔ فلسطین کا مشرقی طول شمال سے جنوب تک ۱۵۰ میل، عرض شمال میں ۸۰ اور جنوب میں ۳۰ میل ہے۔ دریائے یردن کے پار کے فرقوں کے مقبوضات کا رقبہ ۴۵۰۰ مربع میل تھا۔ پس یوں کل اسرائیلی مقبوضات کا رقبہ ۱۱۰۰۰ مربع میل سے کم ہوگا۔

ملک موعود کا رقبہ اراضی مقبوضہ کے رقبہ سے بہت زیادہ تھا (پیدائش ۱۵:۱۸' گنتی ۳۴:۱ تا ۱۲' یشوع ۱:۴، ۱۳:۱) اور اس میں فلسطینیوں کی سرزمین اور فینکی کے ساحل کا میدان کوے سیریا جانب شمال حمات تک اور فرات کا مشرقی اور وادی العریش یا ''دریائے مصر'' کا جنوبی علاقہ شامل

تھے۔ اگر چہ داؤد اور سلیمان کے عہد میں فوجی تاریخ کے اور زمانوں کی نسبت اس ملک کو بڑی رونق اور کشادگی حاصل ہوئی تو بھی وعدہ کی کل حدود کو تصرف میں لانے کا شرف کبھی نہ ملا"۔ (جغرافیہ بائبل مصنفہ پادری یوحنا خان مطبوعہ ۱۹۱۴ء صفحہ ۹)

پادری بلیکی رقم طراز ہیں: جب خدا نے ملک کنعان کا وعدہ ابراہیم سے کیا اس وقت کے حدود یہ بتائے گئے تھے کہ وہ وسعت میں مصر کے دریا سے لے کر دریائے فرات تک ہوگا (پیدائش ۱۵:۱۸) پھر اس کے بعد یشوع کو بتایا گیا کہ اس کی شمالی حد لبنان کے پرے حمات کے مدخل تک ہوگی۔ (یشوع ۱۳:۱۵)......تاہم اتنی بات صاف ظاہر ہے کہ وہ ملک جو خدا نے ابراہیم کی اولاد کو عطا فرمایا وہ اس سے بہت بڑا تھا جو یہودیوں کے قبضہ میں شاید داؤد اور سلیمان کے عہد تک رہا۔ وہ قطعہ زمین جو فلسطین کا ملک سمجھا جاتا تھا وہی تھا جس کے حدود عموماً اس طرح بیان کئے جاتے ہیں (گو یہ بھی پورے طور پر ٹھیک نہیں) کہ وہ (شمال میں) دان سے لے کر (جنوب میں) بیر سبع تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے مغرب میں بحیرۂ اعظم اور مشرق میں صحرائے آرام واقع ہے ......اور انگریزی میلوں کے مطابق اس کی تمام لمبائی ۱۸۰ میل اور اوسط درجہ کی چوڑائی ۵۰ میل ہے" (تواریخ بائبل مصنفہ پادری ولیم جی بلیکی ڈی ڈی ترجمہ پادری طالب الدین بی اے مطبوعہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۹۲)

واضح ہو کہ دریائے اردن کے مغرب میں خاص ملک فلسطین کے اندر فینیکی اور فلستی اقوام کی ریاستیں یہودی سلطنت کے عروج یعنی داؤد اور سلیمان کے عہد میں بھی قائم رہی تھیں (ملاحظہ ہو پادری کے ایل ناصر کی بائبل ہٹلس و تاریخ بائبل مطبوعہ ۱۹۷۲ء طبع ثانی صفحہ ۳۵ نقشہ اور سلیمان کی بادشاہت)۔ خدا کو علم تھا کہ یہودی مذکورہ دونوں اقوام پر فتح نہیں پا سکیں گے اس لئے اس نے ابراہیم کو کنعانی اقوام گناتے وقت ان دونوں کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔

اس بشارت پر دی نیو جیروم بلیکل کمنٹری ۱۹۹۰ء کا بیان ہے کہ مختلف نسخوں میں ۳، ۶، ۷ یہاں تک کہ دس اقوام کا ذکر ہے۔

قدمونی نام کی کوئی قوم تھی ہی نہیں۔ یہودی مفسر ڈاکٹر جے ایچ ہرٹز اپنی تفسیر بائبل میں لکھتے ہیں کہ اس قوم کا کہیں اور تذکرہ نہیں ہوا ہے۔

جتنا عرصہ بھی یہودی جوں توں کر کے ملک موعود میں حاکم یا رعایا کی حیثیت سے رہے انہیں عزت، شان اور سکھ کم ہی نصیب ہوا۔ داؤد کے زمانہ میں یہودی مملکت کی وسعت عروج پر پہنچی لیکن یاد رہے کہ داؤد پر ایک وقت ایسا تھا: "غالباً داؤد حبرون میں اپنی ساڑھے سات سال کی حکومت کے دوران فلستی رعیت بنا رہا (۲۔سموئیل ۲:۱۔۴) ("قاموس الکتاب" مطبوعہ ۱۹۸۵ء صفحہ ۱۳ کالم ۲)

پادری بی ایس ڈین لکھتے ہیں "اس تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی شطرنج کے پیادوں کی طرح کبھی تو پیادوں میں ایک پیادہ بنے رہے اور کبھی بادشاہوں میں ایک پیادہ

لیکن رہے ہمیشہ ہی پیادہ" (خلاصہ تاریخ بائبل صفحہ ۲۱۷ کالم ۲)
یہودیوں کو یہ ملک کیا خاک ملنا تھا۔ یہاں آ کر تو وہ اپنی قوم کا اکثر و بیشتر حصہ ہی گنوا بیٹھے۔
حالانکہ ایک دوسرے موقع پر ابراہیم کو کہا گیا تھا "اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے اور میں ان کا خدا ہوں گا" (پیدائش ۱۷:۱۸) سلمنسر اول شاہ اسور ۷۲۱ ق م میں بنی اسرائیل کے دس قبائل کو اسیر بنا کر لے گیا اور ایران کے صوبہ سیدیا میں جا بسایا۔ وہاں جا کر خدا معلوم انہیں زمین نگل گئی یا وہ فضا میں تحلیل ہو گئے یا آسمان لے اڑا کہ تاریخ ان کا نام بھی لینے سے قاصر ہے! (۲۔سلاطین باب ۱۷)
اور ابراہیم کو یہ ملک اس طرح دیا گیا تھا کہ وہ بے چارہ اپنے لئے روٹی اور اپنے ریوڑوں کیلئے چارہ کی تلاش میں مصر تک دھکے کھاتا رہا تھا۔ (پیدائش ابواب ۱۲، ۱۳)
آئین فلسطین میں یہودی آبادی کا آخری دل گداز سین اور بالخصوص یروشلم کی الم ناک بربادی معروف عیسائی رسالہ "کلام حق" بابت جنوری ۱۹۸۹ء کی زبانی سنیں:

"۷۰ء میں جنرل طیطس کی سرکردگی میں رومی افواج نے یروشلم پر حملہ کر دیا۔ چار ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ اندرون شہر حالات اس قدر دگرگوں ہو گئے کہ بھوک کی وجہ سے محصورین اپنے بچے کھانے پر مجبور ہو گئے، وبائیں پھوٹ پڑیں اور مُردے گلیوں میں پڑے سڑتے رہے۔ رومی شہر کے دروازے توڑ کر داخل ہوئے تو زبردست قتل عام اور لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ ہزاروں بچوں کو بلند عمارتوں سے نیچے سڑکوں پر پھینک کر مار ڈالا گیا۔ ہیکل اور شہر کو آگ لگا دی گئی۔ اندازاً دس لاکھ یہودی قتل ہوئے اور بیس لاکھ یہودی غلام بنا لئے گئے۔ یہودیوں کا قلعہ بنام مسادا آخری مقام تھا جس کو فتح کرنا باقی تھا۔ قلعہ کے محصورین دو سال تک رومیوں کا مقابلہ کرتے رہے لیکن آخر کب تک! یہودی کمانڈر نے اپنے ۹۶۶ ساتھیوں کے ساتھ پہلے اپنی بیویوں، بچوں کو قتل کیا بعد میں سب نے خودکشی کر لی۔ مسادا کا قلعہ زیر ہو جانے کے بعد یروشلم تباہ و برباد ہو گیا۔ ۱۳۳ء میں یہودی اکادکا کر کے یروشلم میں داخل ہونے لگے حتیٰ کہ ایک یہودی سائمن بارکوبا نے رومیوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ شہر کو دوبارہ حاصل کر کے ۳ سال تک اس پر قابض رہا۔ رومی ایک زبردست فوج لے کر وارد ہوئے اور ۱۳۸ء میں یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ عمارتیں مسمار کر کے ہل چلا دیئے۔ ان کی جگہ ایک رومی شہر آباد کیا جس کا نام ایلیا کیپی ٹولینا رکھا۔ دیوتا زیوس کا ایک مندر بھی بنایا۔ یہودیوں کی ایک قوم کی حیثیت ختم ہو گئی اور وہ دنیا کے تمام ممالک میں پراگندہ ہو گئے۔ صدیوں تک یہودیوں کو اس شہر میں داخل ہونے کی اجازت تک نہ تھی۔" (صفحہ ۹)

القصہ یہ حقیقت تاریخ اور خود بائبل سے بھی واضح ہے کہ ابراہیم کے بیٹے اسحاق کی نسل، یہودیوں کو فلسطین دائمی ملکیت میں دینا تو کجا وہاں بسے رہنے کی حد تک بھی یہ پیشین گوئیاں محض

مجذوب کی بڑ اور دیوانے کا خواب ثابت ہوئیں۔

## اصل ملک:

وفاتِ موسیٰ کے وقت اسے جو ملک دکھایا گیا تھا وہ یہی تھا: مشرق میں دریائے اردن' مغرب میں بحیرۂ روم، شمال میں دان اور جنوب میں بیر سبع۔ بائبل کی کتاب استثناء باب ۳۴ میں وارد ہے:

''اور موسیٰ موآب کے میدانوں سے کوہِ نبو کے اوپر پسگہ کی چوٹی پر جو یریحو کے مقابل ہے' پر چڑھ گیا اور خداوند نے...... اس سے کہا یہی وہ ملک ہے جس کی بابت میں نے ابراہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کھا کر کہا تھا کہ اسے میں تمہاری نسل کو دوں گا۔''

موآب کے میدانوں سے مراد موجودہ اردن ہے۔ سادہ زبان میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ موسیٰ ٹول ٹیکس کی عمارت (دراصل پسگہ کی چوٹی) پر کھڑا تھا اور راوی (اصل میں دریائے اردن کے) پار کا علاقہ لاہور ارض موعودِ فلسطین تھا جس کا ابراہیم' اسحاق اور یعقوب کی نسل کو دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ کوہ پسگہ کی چوٹی سے یہ سارا ملک صاف نظر آ رہا تھا۔ پادری ڈملو نے اس کا خوبصورت لفظی نقشہ کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں:

''مسافر ہمیں بتاتے ہیں کہ موآب کے پہاڑوں سے وہ دریائے اردن کی ساری وادی دیکھ سکتے ہیں جس کے انتہائی شمال میں کوہ حرمون واقع ہے۔ لبنان کا ملک اور کوہ کارمل نظر آتے ہیں۔ ۵۰ میل کے فاصلہ پر بحیرہ روم دھوپ میں چمکتے چاندی کے پترے کی طرح دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسا وسیع نظارہ صرف اسی موسم میں شاذ ہی نظر آتا ہے جب فضا بالکل صاف ہو''۔ (تفسیر ڈملو' صفحہ ۱۳۹' کالم ۲)

پس واضح ہوا کہ اس سلسلہ کی تمام پیشین گوئیاں غلط اور گپیں ثابت ہوئیں' کیونکہ:

۱) ابراہیم کی پیشین گوئی میں مذکور اقوام اور علاقے کبھی بھی یہودیوں کے قبضہ میں نہ آئے۔

۲) یہ ملک موجودہ اسرائیل تھا۔

۳) اس میں سے بھی فینکی قوم کا علاقہ ۲۸ میل لمبا اور ۱ تا ۵ میل چوڑا (جغرافیہ بائبل صفحہ ۱۱۸) اور فلستی قوم کا ۴۰ میل لمبا اور ۱۲ سے ۱۵ میل چوڑا علاقہ (صفحہ ۱۸) یہودیوں کے قبضہ سے خارج رہا!

۴) جب موقع تھا تو یہ پیشین گوئیاں پوری نہ ہو سکیں' اب ساڑھے تین ہزار برس بعد انہوں نے کیا خاک پورا ہونا ہے۔

دراصل پہلی پیشین گوئیوں کی بطالت خدا کے موسیٰ سے خطاب میں ہی موجود ہے۔

اب رہی بات جیرل فول ویل کے ''فول پن'' کی کہ وعدہ کی سرزمین سے مراد عراق، شام، ترکی، سعودی عرب، مصر، سوڈان، پورا لبنان، اردن اور کویت ہے تو اس کا مطلب پنجابی کہاوت ''طاقتور کا سو (۱۰۰) سات بیسیوں کا ہوتا ہے'' سے ہی سمجھا جا سکتا ہے!

## بقیہ: تہذیبوں کی جنگ

معاشرت کو بے پردگی اور بے حیائی سے پاک کریں۔

۲) اجتماعی سطح پر اسلامی نظام اور شریعت اسلامی کے نفاذ کی جدوجہد کریں۔

۳) ملک کی نظریاتی اساس کے ساتھ ساتھ اس کی جغرافیائی حدود کی حفاظت کا بھرپور عزم کریں۔

۴) اپنے پڑوس میں واقع برادر ملک افغانستان پر امریکی بربریت کے خلاف افغان بھائیوں کی مالی' جانی اور اخلاقی مدد کریں کہ یہ پڑوسی ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمان بھائی ہونے کے ناطے بھی شریعت کی رُو سے لازم ہے۔

## بقیہ: مسلمان کا طرزِ حیات

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے نبی ﷺ کا ادب کرنے کی توفیق بخشے اور ہمیں حضور ﷺ کے متبعین میں شامل فرما دے۔ نیز ہمیں حضور ﷺ کی اطاعت نصیب فرمائے اور آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے محروم نہ رکھے۔ آمین یارب العالمین!

(۱) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب حب الرسول ﷺ من الایمان - وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب محبة الرسول ﷺ اکثر من الاهل والولد والناس اجمعین


## ضرورت رشتہ

مجھے اپنی دو بچیوں ایم اے اسلامیات' ایم اے اکنامکس عمر ۲۱ سال' ۲۳ سال کے لئے دینی مزاج کے حامل ترجیحاً ارائیں فیملی سے رشتے درکار ہیں۔ محمد اسلم' فون: 0431-267005

☆☆☆

ایک بچی عمر ۲۱ سال' تعلیم بی اے' قد ۵ فٹ ۱۸ انچ کے لئے لاہور یا گوجرانوالہ سے دینی مزاج کے حامل صرف ارائیں فیملی کا رشتہ درکار ہے۔ حاجی ظہور احمد' فون: 0431-236678

☆☆☆

ہمشیرہ عمر ۲۱ سال' تعلیم ایف اے' دینی مزاج کی حامل کے لئے ہم پلہ موزوں رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں ہے۔ انجینئر طارق خورشید' فون: 0320-4956733

# KHALID TRADERS

**IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE**

NTN

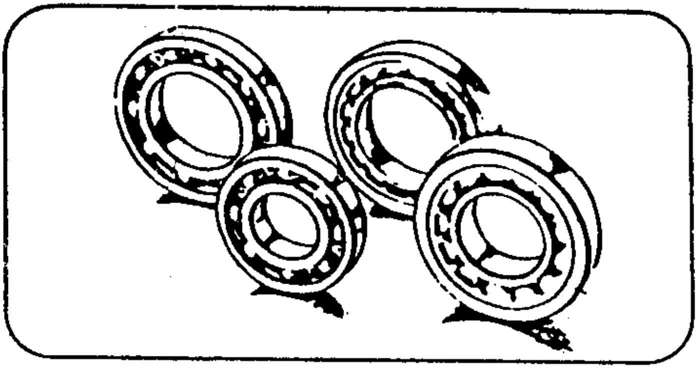

## PLEASE CONTACT

*Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.*
G.P.O. Box #. 1176 *Phones* : 7732952 - 7730595 *Fax* : 7734776 - 7735883
*E-mail* : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY***, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

***LAHORE :*** 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

***GUJRANWALA:*** 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

**WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING**